خوش بوئے تخیّل

۱۹۶۴ء

بہارستاں

پیپسو کے شاعروں کا تذکرہ

مرتبہ

تیج ونت رائے ساحر سنامی ایم اے تحصیلدار پٹیالہ

کاتب ۔ ہرنبس لال نیا شہری
پبلشر ۔ شری جگدیش رائے اختر شامی ایم۔اے۔
مرکز تصنیف و تالیف پھلکیاں مارگ پٹیالہ۔

پرنٹر ۔ ویر ملاپ پریس۔ ملاپ روڈ جالندھر
باہتمام شری چندر پرکاش سوری

ملنے کا پتہ

مرکز تصنیف و تالیف پھلکیاں مارگ پٹیالہ

قیمت تین روپے

تعداد اشاعت ۔ ۲ ہزار
بار اوّل

تاریخ

لاریب اِسے گُل زارِ معانی کہئے
گُل دستۂ اِعجاز بیانی کہئے
کہنا ہو جو بکرمی میں سالِ تالیف
نغماتِ بہارِ کامرانی کہئے

۲ ۰ ۲ ۱

نسیم نورمحلی

دُعائیہ

(از علّامہ ڈاکٹر منوہر سہائے انور ایم اے ایم او ایل پی ایچ ڈی نئی دہلی)

مجھے یہ معلوم ہو کر کہ آپ ایک تذکرۃ الشعرا مرتّب کر رہے ہیں۔ اور پنجاب میں اُردو کی ترقی اور ترویج کے لئے ایک کالج بھی قائم کر چکے ہیں۔ نہایت مسرّت ہوئی۔ میری دُعا ہے کہ توفیق آپ کی رفیق رہے۔ اور اپنے عزائم میں کامیاب ہوں۔ بہر حال اُردو آپ جیسے کریم النفس اصحاب کی دستگیری کی محتاج ہے۔

آپ کا ترقی خواہ
منوہر سہائے انور

سنسکرت اور ہندی کے تمام کویوں کے حالات کا تو کیا ذکر۔ آج ان کے زمانے کا تعین بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ہندوستان میں تذکرہ نویسی کی اہمیت کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ آج اُردو مشاعروں اور دیگر ادبی سرگرمیوں پر کافی خرچ کیا جاتا ہے۔ اثر کچھ نہیں۔ ہو بھی تو صرف وقتی۔ ایک مشاعرے کے خرچ سے کہیں کم خرچ پر تیس پینتیس شاعروں کا کلام کتابی صورت میں یک جا کیا جائے۔ تو ایک مستقل چیز بن سکتی ہے۔ اس میں وہ اچھے شاعر بھی لائے جا سکتے ہیں جو بے نیازی یا حالات کی وجہ سے منظرِ عام پر آنے سے رہ جاتے ہیں۔ دراصل تذکرہ نویسی ہی بہترین ادبی خدمت ہے۔ ساحر صاحب کی یہ کوشش یقیناً مستحسن ہے۔ اب یہ کتابی مشاعرہ جس میں شاعروں کا مکمل تعارف بھی موجود ہے مستقل طور پر ہر گھر میں بہت تھوڑی جگہ میں گھر بنا سکتا ہے۔ فوٹو کی کمی کے لئے شاعروں کا بیشتر حصہ خود ذمہ دار ہے۔ دو سال کے مسلسل تقاضوں کے باوجود کئی شاعروں کے فوٹو نہیں مل سکے بعض نے تو اپنے حالات و کلام بھی دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ پنجاب بھر کے شاعروں کو تو شاید دس برس میں بھی اس میں یک جا نہ کیا جا سکتا۔ خیر گزری کہ ساحر صاحب نے اس ارادے کو خیر باد کہہ دیا۔

نسیم نور محلی

دیباچہ

اُردو ہندوستان میں پیدا ہوئی اور یہیں پروان چڑھی۔ اسے مدتوں پنجاب کی سرکاری زبان رہنے کا فخر حاصل رہا ہے۔ بدقسمتی سے ۱۹۴۷ء میں تقسیم وطن ہوئی۔ اور اکثر تنگ نظر حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے حالانکہ یہ بالکل بے بنیاد پروپیگنڈا ہے۔ زبان کسی کی میراث نہیں۔ اسی کی ہے جس نے اسے اپنایا۔ وضع اصطلاحات مصنفہ سیّد وحید الدین سلیم پروفیسر اسلامیہ کالج حیدر آباد جسے انجمن ترقی اُردو نے شائع کیا ہے کا حسب ذیل نوٹ ایسے حضرات کا وہم دُور کرنے کیلئے کافی ہے۔

"ہمارے بعض دوست اُردو زبان کے غیر آریائی ہونے کا ثبوت

عجیب طرح دیتے ہیں۔ وہ اُردو زبان کی کسی کتاب کو اُٹھاکر اس میں سے تھوڑی سی عبارت کہیں سے انتخاب کر لیتے ہیں۔ اور اس عبارت کے الفاظ گن کر بتاتے ہیں کہ دیکھو اس میں عربی کے الفاظ بمقابلہ فارسی اور ہندی کے زیادہ ہیں۔ حالانکہ یہ بات کہ عبارت میں عربی کے الفاظ زیادہ ہیں یا ہندی کے کچھ تو مضمون کی نوعیت پر موقوف ہے اور کچھ لکھنے والے کے طبعی میلان پہ مثلاً آریہ سماجیوں کا مشہور اخبار "پرکاش" جو لاہور سے نکلتا ہے سنسکرت اور بھاشا کے الفاظ بکثرت استعمال کرتا ہے۔ "الہلال" میں جو کلکتہ سے شائع ہوتا تھا اور جس کے ایڈیٹر ہمارے دوست مولانا ابوالکلام آزاد تھے عربی الفاظ کی بھرمار ہوتی تھی۔ اِس مطلب کے لئے اگر صحیح اِستدلال کرنا ہو تو ہمارے نزدیک اس جدول پہ ایک نظر ڈال لینی چاہیئے جو مرحوم سیّد احمد دہلوی نے اپنی مشہور لغات "فرہنگِ آصفیہ" کے آخر میں درج کی ہے۔ اور جس میں اُردو زبان کے ہر قسم کے الفاظ زبانوں کی نوعیت کے لحاظ سے گنوائے گئے ہیں۔

جدول مذکورہ بالا حسب ذیل ہے:۔

تمام الفاظ مندرجہ فرہنگ آصفیہ ۵۴۰۰۹

یہ مجموعی تعداد ہے۔ اس کی تفصیل یوں بتائی ہے:۔

ہندی جس کے ساتھ پنجابی اور پوربی زبان کے بعض خاص الفاظ بھی شامل ہیں۔ ۲۱۶۴۴

اُردو یعنی وہ الفاظ جو غیر زبانوں سے ہندی کے ساتھ مل کر بنے ہیں۔ ۱۷۵۰۵

عربی ۷۵۸۴

فارسی ۶۰۴۱

سنسکرت ۵۵۴

انگریزی ۵۰۰

مختلف ۱۸۱

میزان ۵۴۰۰۹

اس کے بعد مختلف الفاظ کی فہرست جُداگانہ دی گئی ہے جو حسب ذیل ہے:۔

ترکی ۱۰۵

عبرانی ۱۱

سریانی	۷	
یونانی	۲۹	۵۸
پرتگالی	۱۶	
لاطینی	۴	
فرنچ	۳	
پالی	۲	
برہمی	۲	
مالاباری	۱	
ہسپانوی	۱	
میزان کُل		۱۸۱

اِس جدول سے حسب ذیل نتائج واضح طور پر نکلتے ہیں :-

(۱) ہندی کے الفاظ ہماری زبان میں تمام زبانوں سے زیادہ ہیں۔ جو بمقابلہ کُل مجموعہ کے نِصف کے قریب ہیں۔ اور عربی کے الفاظ سے سہ چند ہیں۔ اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہماری زبان کی اصل زمین یا بنیاد ہندی ہے۔ پس جو حضرات ہماری زبان کو کھینچ تان کر عربی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک ایسی غلطی

کا ارتکاب کرتے ہیں جس سے اِس زبان کی فطرت بگڑ جائے گی۔

(۲) ہندی الفاظ کے بعد دُوسرا درجہ ان الفاظ کا ہے۔ جو غیر زبانوں سے ہندی کے ساتھ مِل کر بنے ہیں۔ یہ الفاظ مجموعی الفاظ کے مقابلہ میں قریب ایک تہائی کے ہیں۔ اس سے بیّن طور پر ثابت ہوتا ہے کہ زبان میں توسیع اور ترقی کا جو میلان ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ ہندی کے ساتھ غیر زبانوں کے الفاظ ملائے جائیں۔ اِس بنا پر جو لوگ اِس زبان کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ وہ اس کی قدرتی رفتار کو سمجھ کر ہندی کے ساتھ غیر زبانوں کے الفاظ مِلا کر جدید الفاظ بنائیں۔

(۳) چونکہ دوسری قسم کے الفاظ ہندی اور غیر زبانوں کے ملاپ سے بنائے گئے ہیں۔ اِس لئے صاف ظاہر ہے کہ ان کا شمار ہندی الفاظ میں ہے۔ اب اگر یہ الفاظ اور پہلی قسم کے الفاظ اور فارسی سنسکرت اور انگریزی کے الفاظ (کہ یہ تینوں زبانیں بھی آریائی ہیں) نیز (۵۸) الفاظ مختلف الفاظ میں سے (کہ یہ بھی آریائی زبانوں کے ہیں) سب جمع کئے جائیں تو ان کی تعداد (۴۶۳۰۲) ہوتی ہے۔ اِس تعداد کا مقابلہ عربی الفاظ کی تعداد

سے عبرانی اور سریانی کے (۱۸) الفاظ ملاکر (دیہ دونوں زبانیں بھی عربی کی طرح سامی زبانیں ہیں) اب سامی الفاظ کی مجموعی تعداد (۷۶۰۲) ہوتی ہے جو آریائی الفاظ کے مقابلہ میں چھٹے حصہ سے بھی کم ہے۔ گویا اُردو زبان ایک ایسا مرکّب ہے جس میں آریائی اور سامی دونوں عنصر شامل ہیں۔ مگر ان دونوں عنصروں کی باہمی نسبت چھ اور ایک کی ہے۔ اِس غالب عنصر کی بِنا پر بھی فیصلہ ہوجاتا ہے کہ ہماری زبان درحقیقت ایک آریائی زبان ہے۔"

سلیم صاحب مسلمان ضرور ہیں لیکن ان کی مسلمانی حقیقت پر پردہ ڈالنے کے حق میں نہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ادب نواز ہیں۔ مذہبی تعصّب ان کی انصاف پسندی پر غالب نہیں آسکا۔

اُردو میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنی زبان ہے۔ اپنے حالات کے مطابق ہے اور ہر قسم کے الفاظ کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ہر دور میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو ادیبوں نے بھی اس کی کوئی کم خدمت نہیں کی۔ تاریخِ ادبِ اُردو میں فکر تونسوی۔ کنہیا لال کپور۔ رنبیر آف ملاپ۔ رتن ناتھ سرشار۔ سرور جہان آبادی۔ چکبست۔ نسیم لکھنوی۔ منوہر لکھنوی

برق دہلوی۔ ہری چند اختر۔ محروم۔ جوش ملسیانی منوہر سہائے انور۔ نظر سوہانوی۔ نظر لکھنوی۔ پریم چند۔ افق لکھنوی۔ مہر گوالیاری۔ ارمان دہلوی۔ مہر دہلوی۔ دتاتریہ کیفی۔ امرناتھ ساحر۔ ہری رام مؤلف خمخانۂ جاوید۔ امن دہلوی۔ کرپال سنگھ بیدار۔ نسیم نورمحلی۔ وفا۔ کمال کرتارپوری۔ ہما ہرنالوی۔ بہار سنامی کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ اکثر مسلم شعرا و اُدبا نے ہمیشہ ہندوؤں کی عظیم اُلشان خدمت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہی نا عاقبت اندیشانہ تعصّب اُردو کے حق میں زہرِ قاتل ثابت ہو رہا ہے۔ اِنتخاب جدید جسے انجمن ترقی اُردو حیدرآباد نے شائع کیا ہے اور جسے آل احمد سرور جنرل سیکرٹری انجمن ترقی اُردو ہند نے مرتّب کیا ہے۔ جب میری نظر سے گزرا۔ تو مجھے انتہائی قلق ہُوا۔ کہ اُردو کے اس ناسازگار ماحول میں بھی نہایت قابلِ تعظیم اور بزرگ ادیب تنگ نظری کو نہیں چھوڑ سکے۔ جہاں دَورِ حاضر کے بہت سے غیر معرُوف مسلم شعرا کا کلام شاملِ اشاعت ہے۔ وہاں اس میں سوائے چکبست اور نسیم کے کسی ہندو شاعر کا نام تک نہیں لیا گیا۔ آجکل

پنجاب میں اُردو ایک ایسی شمع ہے جس میں پہلا تیل ختم ہو چکا ہے
اور نیا تیل ڈالنے سے عملی طور پر انکار ہو رہا ہے۔ تعجّب کی بات ہے
کہ ہندوستان کے سب سے بڑے نیتا اردو کے متعلق بہت بلند خیال
رکھتے ہیں اور اس کی ترقی بھی چاہتے ہیں لیکن عمل اس کے
برعکس ہے۔ یہاں تک نوبت آ پہنچی ہے کہ پنجاب میں اُردو کی
پڑھائی کا کہیں انتظام نہیں۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ حال ہی
میں تین تحصیلوں مالیر کوٹلہ۔ فیروز پور جھرکا اور نوح میں اُردو کی تعلیم
کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ارباب بست و کشاد یہ بھول جاتے
ہیں کہ پنجاب میں اُردو مدّت مدید تک عدالتی زبان رہی ہے۔
اگر یہ زبان ختم کر دی گئی تو سالہا سال کا پُرانا ریکارڈ کون پڑھے گا؟
مَیں ہندی اَور پنجابی کا مخالف نہیں۔ یہ دونوں زبانیں اپنا اپنا
مقام رکھتی ہیں۔ ان کی ترقی ضرور ہونی چاہیے لیکن اُردو کے
ساتھ دشمنی ہندی اَور پنجابی کے حق میں بھی ضرر رساں ثابت ہوگی۔
یہ شکر کا مقام ہے کہ محکمہ السنہ پنجاب ہندی اور پنجابی کے
ساتھ اُردو کا بھی علمبردار ہے۔ سنہ ۱۹۶۴ء کی سرکاری تقریب میں
تینوں زبانوں کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ اور اسے پنجاب میں

اِتحادِ ثلاثہ یعنی سنگم کہا گیا۔ لیکن عمل اس پر کم ہے۔ جہاں ہندی کی ترقی کے لئے ۲۲ لاکھ اور پنجابی کے لئے بھی ۱۴ لاکھ روپیہ سالانہ بجٹ مقرر ہے۔ وہاں اردو کیلئے صرف ایک لاکھ آٹھ ہزار روپے کی حقیر رقم مخصوص کی گئی ہے۔ ہندی اور پنجابی کے لئے ان کے باقاعدہ ڈائرکٹر اور سٹاف ہیں۔ اردو کے لئے صرف تین افراد ہیں۔
اس حقیقت کو کبھی بھولنا نہیں چاہئیے۔ کہ اردو دراصل آسان ہندی ہے کیونکہ اردو کے کُل ۵۴۰۰۹ الفاظ میں سے ۴۶۳۰۲ الفاظ ہندی کے ہیں۔ اردو کی ترقی میں پنجابی اور ہندی کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ اردو کی مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پنجابی اور ہندی کے کوی دربادوں کے مقابلے میں اردو کے مشاعرے کہیں زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ ہندی اور پنجابی کے فروغ کے سلسلہ میں جس قدر تعجیل سے کوششیں ہو رہی ہیں۔ اسی قدر ہندی اور پنجابی ادب کا معیار پست سے پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہندی اور پنجابی کی موجودہ شاعری معیاری شاعری سے بہت نیچے جا رہی ہے۔ ترقی کا مقصد معیار کو بلند کرنا ہوتا ہے لیکن بے جا اور ناواجب حوصلہ افزائی

کی بدولت یہ معیار نہایت پست ہوتا جا رہا ہے۔ دھنی رام چاترک
کے بعد کوئی ہندی یا پنجابی ادیب ان سے آگے نہیں جا سکا۔
حالانکہ یہ دونوں زبانیں سرکاری ہیں اور لاکھوں روپیہ ان کی
ترقی پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ وزن۔ قافیہ اور دیگر رموزِ سخن کو نظر انداز
کیا جا رہا ہے۔ ہندی ساہتیہ میں ان باتوں کا بہت خیال رکھا جاتا
تھا اور جو شاعر وزن و بحر کی غلطی کرتا تھا۔ اُس کو کبھی شاعر شمار
نہیں کیا گیا۔ لیکن آج کل کی ہندی اور پنجابی شاعری کو پڑھ کر
ہنسی آتی ہے۔ پنجابی شعرا تو اپنے آپ کو ہر قسم کے قواعد سے
بالاتر سمجھتے ہیں۔ آجکل شاعری صرف گلا بازی کا نام رہ گیا
ہے۔ جس کی آواز ترنم آشنا ہے وہ شاعر بن بیٹھتا ہے۔ سامعین
کا مذاق بھی بگڑتا جا رہا ہے۔ اکثر سامعین صرف اندازِ بیاں اور
اچھا گانے والے ہی کو داد کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اِس میں شک
نہیں کہ یہ کمزوری اُردو شاعروں میں بھی آگئی ہے لیکن وزن۔
بحر اور فنّی اُصولوں کو کبھی فراموش نہیں کیا گیا۔ آج سے تقریباً
بیس سال پہلے شری امرناتھ ساحر دہلوی کی قیام گاہ پر مہینے
کی آخری تاریخ کو شعرا کی نشست ہوا کرتی تھی جس کی پہلی شرط یہ

تھی۔ کہ کوئی شاعر گا کر نہ پڑھے۔ بڑے بڑے معمر کے شاعر اس
نشست میں شریک ہوتے تھے۔ برق دہلوی کا نام خاص طور
پر قابلِ ذکر ہے۔ ایک شاعر غزل کا ایک شعر بہت آہستہ آہستہ
پڑھتا تھا۔ حضرت ساحر دہلوی اور برق صاحب جب تک سر
نہیں ہلاتے تھے۔ وہی شعر دوبارہ۔ سہ بارہ پڑھا جاتا تھا شعروں
کا تجزیہ ہوتا تھا۔ خامیاں ظاہر کی جاتی تھیں اور اکثر اصلاح
بھی کی جاتی تھی۔ مجھے چند ایک ایسی نشستوں میں شمولیت کا
فخر حاصل ہوا ہے۔ یہ تھی اصلی ادبی خدمت۔ اور واحد ذریعہ
ترقی زبان کا۔ اب جو گانا جانتا ہے۔ خدمت سے یا روپے
کے زور سے شعرا سے غزلیں لکھوا لیتا ہے اور مشاعروں میں
طمطراق سے پڑھتا ہے۔ داد بھی خوب ملتی ہے۔ جو اصلی شاعر
ہیں اور گانا نہیں جانتے۔ وہ واجب داد سے بھی محروم رہتے
ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو شاعری
میں اب بھی وزن۔ بحر اور فنی اصولوں کا بہت خیال رکھا جاتا ہے۔

یہ خالص ہندوستانی زبان ہے۔ بھارت کی اکثریت اردو کو
سمجھتی ہے اور پسند کرتی ہے۔ اس میں دیگر زبانوں کے

الفاظ جذب کرنے کی خاص صلاحیت ہے۔ افسوس کی بات ہے۔ کہ پنڈت جواہر لال جی کی خواہش کے باوجود بعض اربابِ بست و کشاد اب بھی اپنی تنگ نظری کی وجہ سے اُردو کو ختم کرنے پر بُری طرح کمر بستہ ہیں۔ وہ اس کا انجام نہیں سوچتے۔ کاغذوں میں اُردو کو تیسری تسلیم شدہ زبان ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن پنجاب کے کسی سکول میں اِس کی ابتدائی پڑھائی کا بھی اِنتظام نہیں۔ اور تو اور اِس کا قاعدہ بھی مالیرکوٹلہ سے منگوانا پڑتا ہے۔

پنجاب گورنمنٹ نے اُردو کو تین تحصیلوں کے سکولوں میں لازمی تو قرار دے دیا لیکن یہ کافی نہیں۔ کم سے کم ہر تحصیل کے ایک مقامی سکول میں اُردو کی پڑھائی کا اِنتظام ہونا چاہیئے۔ اِس تجویز سے خزانے پر زیادہ بار بھی نہیں پڑے گا۔ اب بھی ایسے مدرس سکولوں میں مِل سکتے ہیں جو اُردو پڑھا سکیں سوال صِرف سکیم کو عملی جامہ پہنانے کا ہے۔ اِس کے علاوہ اُردو میں ہر قسم کی درخواستیں پیش ہونے کی بھی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کوئی زبان کسی دوسری زبان کی ترقی

کو نہیں روکا کرتی - کوئی زبان کسی طبقہ کی میراث نہیں ہے۔ زبان اس کی ہوتی ہے جو اسے اپنا لے - اُردو دان اور اس کے سرپرست بھی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں - کہ اُردو کو ہندی کے زیادہ سے زیادہ قریب لایا جائے اور اس میں مزید ایسے الفاظ شامل کئے جائیں جو عام فہم ہوں - عربی اور فارسی کے بھاری بھرکم الفاظ سے گریز کیا جائے - ورنہ اس کی ترقی مسدود ہو جائے گی۔

میں مشاعروں کے خلاف نہیں لیکن اِس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اچھے شاعروں کا کلام مستقل طریق سے منظرِ عام پر آسکے - پٹیالہ ڈویژن ادب نوازی کے لئے مشہور رہا ہے - جب میرے نازک کندھوں پر انجمن ترقی اُردو ہند کے پنجاب ڈویژن کے کنوینر کا بار رکھا گیا - تو میرے دِل میں سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا - کہ انجمن کی تنظیم کے ساتھ ساتھ پیپسو ڈویژن کے شعرا کا کلام اور حالاتِ زندگی کو کتابی صورت میں پیش کیا جائے - چنانچہ پیپسو کے ہر شاعر کو خط پر خط لکھا گیا - اور زبانی تقاضا بھی کیا گیا - اس کے باوجود کچھ حضرات

سنے توجہ نہیں دی۔ اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کو اپنے کلام کے پختہ اور بے عیب ہونے کا یقین نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی چیزوں کو اپنے نام سے مستقل طریق پر مشتہر کرنے سے گھبراتے ہیں۔ دونوں میں سے وجہ کوئی بھی ہو۔ بہر صورت جائے افسوس ہے کہ یہ کتاب ان کے ذکر سے محروم ہے۔ اس کے لئے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ کوئی اور نہیں۔

اس کے بعد اس ترتیب کا سوال پیدا ہوا کہ کسی شاعر کا مقام قائم کرنا مؤلف کا منصب نہیں ہے۔ اس سے کئی طرح کی غلط فہمیوں اور رنجشوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس الجھن سے نکلنے کے لئے یہی ایک محفوظ طریقہ تھا کہ تمام ترتیب حروفِ تہجی کے لحاظ سے لگا دی جائے۔ اور ہر شاعر کو چار صفحے دے دئے جائیں۔ پاس داری کے الزام سے بچنے کے لئے ہر شاعر سے خود نوشت سوانح حیات حاصل کئے گئے ہیں۔ ارادہ تو پنجاب بھر کے شعرا کا تذکرہ مرتب کرنے کا تھا لیکن بیشتر شعرا نے تعاون نہیں دیا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مشاہیر اور اُستادوں کے پانچ پانچ شعر شاملِ تذکرہ کر دئے گئے ہیں۔

ساحر سُنامی

شری متھراداس آہوجہ

اُردو کے قدردان اب کم ہوتے جا رہے ہیں۔ دیوان متھراداس آہوجہ آئی۔ اے۔ ایس۔ جوائنٹ سیکرٹری ریونیو اُن ممتاز ہستیوں میں سے ہیں جن کا ادب اُردو مرہون منّت ہے۔ آپ مقام سنگرورتہ تحصیل تونسہ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ علم و ادب کا ذوق فطرت نے عطا کیا تھا۔ آپ کا ابتدائی دَور آنے والے زمانے کا آئینہ دار تھا۔ دیال سنگھ کالج میں آپ کالج یونین کے سیکرٹری رہے۔ ایف۔ سی کالج کی تعلیم کے دوران میں سپیکرز یونین کے چیئرمین چُنے گئے۔ ۱۹۳۴ء میں سٹوڈنٹ کانفرنس میں جس میں شریمتی سروجنی نائیڈو اور ملک الشعرا رابندر ناتھ ٹیگور رونق افروز تھے۔ ایسی سحر آفرین تقریر کی کہ شریمتی سروجنی نائیڈو کو سٹیج پر کھڑے ہو کر آپ کی قابلیت کی تعریف کرنی پڑی۔ ملتان کالج میں آپ کالج میگزین اُردو اور ہندی سیکشن کے ایڈیٹر تھے۔ دیال سنگھ کالج میں انگلش سیکشن کے چیف ایڈیٹر بنائے گئے۔

'COLLEGE' اپنے وقت کا ایک مشہور رسالہ تھا۔ شری آہوجہ اس کے چیف ایڈیٹر تھے۔ آپ نے ایم۔ اے انگریزی فرسٹ ڈویژن میں یونیورسٹی بھر میں اوّل رہ کر ۱۹۳۵ء میں پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں پی۔ سی۔ ایس ہوئے۔ اس کے بعد مختلف ڈویژنوں میں بطور مجسٹریٹ کام کیا۔ اپنے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دئے۔ تقسیم وطن کے وقت آپ واحد ہندو افسر تھے جو میانوالی میں مامور تھے۔ اس کے بعد بطور ڈی۔ سی بھٹنڈہ۔ ڈپٹی سیکرٹری ریونیو وغیرہ نمایاں کام کئے۔ فرحت تخلص ہے۔ انگریزی میں ان کی مشہور کتاب Rama of Ayudhia اپنا مقام رکھتی ہے جس کا پیش لفظ مشہور ادب نواز راجہ نریندر ناتھ نے لکھا ہے۔ مولانا تاجور نے ان کو ہندوستان کا بہترین شاعر اور افسانہ نگار تسلیم کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ان کے افسانے بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ نظمیات بھی کم درجے کی نہیں۔ منظر نگاری اور محاکات ان تصنیفات کا خاص جوہر ہیں"۔

ساحر سنامی

شری وِدّیا ساگر سُوری

آپ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کو قصبہ کرتار پور ضلع جالندھر میں پیدا
ہوئے۔ بچپن سے اپنے خالو صاحب کے پاس رہنے کی وجہ
سے جو محکمہ پولیس میں ملازمت کے دوران میں ضلع گوڑگانوہ کے
کئی مقامات پر تعینات رہے۔ ابتدائی تعلیم دہلی کے گرد و نواح
میں پائی۔ دہلی آنے جانے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا۔ اِس برگزیدہ شہر کے
عوام کے ساتھ ربط ہونے کے باعث اِس مخصوص زبان کا جسے
اُردو کی کھڑی بولی کہا جاتا تھا! اچھا خاصا محاورہ ہو گیا۔ جس کو ترک کرنا
پنجاب میں واپس آنے پر بھی دُشوار تھا۔ پنجابی زبان کے لب و لہجہ
سے پوری واقفیت نہ ہونے کے سبب اہلِ مکتب نے ہندوستانی
لقب دیدیا تھا۔ آپ کو اُردو سے زیادہ اُنس اِس وجہ سے بھی ہو گیا۔
کہ شروع ہی میں روایتی طریقۂ تعلیم کے مطابق مولوی صاحب سے
مسجد میں بیٹھ کر فارسی زبان پڑھی تھی۔

پنجاب لوٹنے پر ساتویں جماعت سے باقاعدہ سکول میں تعلیم

حاصل کرنی شروع کی۔ گاؤں کے سکول سے مڈل پاس کر کے سائیںداس
اینگلو سنسکرت ہائی سکول جالندھر سے میٹرک پاس کیا۔ اس سکول میں
اگرچہ اردو کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ تاہم فارسی کو آپ
نے اختیاری مضمون رکھا۔ ڈی۔ اے۔ وی کالج جالندھر سے
ایف۔ ایس سی پاس کرنے کے بعد بی۔ اے میں پھر فارسی لیکر
پرانا شوق پورا کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ایف۔ سی کالج لاہور سے ایم۔ اے
ہسٹری پاس کیا۔ فارسی میں خاص رغبت کی وجہ سے پنجاب یونیورسٹی
لاہور کے شعبۂ تواریخ میں ریسرچ سکالر چنے جانے پر پنجاب کی
تواریخ کے فارسی اور اردو کے ماخذ فراہم کرنے کا کام اختیار کیا
پانچ سال تک اس کھوج میں لگے رہنے پر فارسی اور اردو زبانوں
میں دستاویزات اور نسخہ جات کی ایک فہرست تیار کی اور ان میں
سے خاص خاص کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ان میں سے عمدۃ التواریخ
(۱۸۴۹-۱۷۶۹ء) از قلم منشی سوہن لال سوری وکیل دربار مہاراجگان
پنجاب جس کا بیشتر حصہ روزنامچہ کی شکل میں چشم دید حالات پر مشتمل ہے
خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس ممتاز مسودہ کے انگریزی میں پانچوں
دفاتر کا ترجمہ کر کے ایڈٹ کیا۔ دفتر سوم۔ روزنامچہ مہاراجہ رنجیت سنگھ

(۱۸۲۹-۳۱ء) چھپ چکا ہے۔

آپ ۱۹۴۵-۴۷ء تک دیال سنگھ کالج لاہور میں تاریخ کے لیکچرار رہے۔ تقسیم پنجاب کے بعد محکمہ تعلقاتِ عامہ کے ماتحت جالندھر میں انفارمیشن آفیسر لگے۔ جہاں محکمہ ری ہیبلی ٹیشن کے احکامات اور ہدایات کو اُردو زبان میں ترجمہ کر کے ریڈیو اور اخبارات میں نشر و اشاعت کا خاص کام آپ کے سپرد تھا۔ وہاں کوئی ڈیڑھ سال ملازمت کرنے کے بعد آپ پنجاب ہسٹاریکل ریکارڈ آفس شملہ میں منتقل ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں کیپر آف ریکارڈز پنجاب کے عہدہ پر لگے۔ اس دفتر میں لاہور سے اپنے حصّہ کے کاغذات لانے کا کام مکمّل کرنے کے بعد پوربی پنجاب کے مختلف اضلاع سے پُرانی دستاویزات اور فارسی و اُردو میں قلمی نسخہ جات فراہم کرنے کا کام ہاتھ میں لیا۔ ۱۹۵۶ء میں سابق پیپسو کے پنجاب میں مدغم ہونے پر آپ دونوں صوبوں کے مشترکہ آرکائیوز انچارج بنے۔ ۱۹۵۹ء میں شملہ سے آکر موتی باغ پٹیالہ میں دفتر قائم کیا اور ابھی تک وہیں ہیں۔ محکمہ السنہ پنجاب کی طرف سے اُردو کے انعامی مقابلوں کی تقاریب کے سلسلہ میں کئی بار صدارت بھی آپ نے کی ہے۔

ساحر سنامی

نسیمؔ نورمحلی

نسیمؔ نورمحلی کے حالاتِ زندگی اور ان کے اُستادانہ کلام کو اس کتاب میں دیکھ کر شاید کچھ دوست حیران ہوں۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں نسیمؔ صاحب کا خاص اور نمایاں حصّہ ہے۔ پیپسو کے شعرا اور ادب نواز حضرات ان کی فنّی واقفیت اور قادر الکلامی کے قائل بھی ہیں اور مدّاح بھی۔ آپ ایک معزّز و متموّل خاندان میں پیدا ہوئے۔ جہاں قدرت نے اور باتوں میں بخل نہیں کیا۔ وہاں فنِ شعر اور تنقیدی شعور کی دولت بھی دل کھول کر بخشی۔ آپ نے ابتدائی کلام پر اصلاح ابوالفصاحت حضرتِ جوشؔ ملسیانی سے لی۔ مہربان اُستاد نے دس بارہ غزلوں پر اصلاح کے بعد آپ کو فارغ الاصلاح قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ ۱۹۳۱ء سے فارغ الاصلاح ہیں۔ پنجاب کے نوّے فی صدی شاعر بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ سے مشورۂ سخن لینا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ طبیعت ضرورت سے زیادہ سادہ اور پُرخلوص ہے

شہرت سے بے نیاز بلکہ بے زار ہیں۔ اخبارات اور رسائل میں بہت کم اپنا کلام بھیجتے ہیں۔ مشاعروں میں بھی کم شرکت فرماتے ہیں۔ اِس لئے عوام شاید آپ کے اس مقام کو نہ جانتے ہوں جِس کے آپ مستحق ہیں۔ البتّہ پنجاب کا ہر شاعر آپ کی عظمت۔ نام اور مقام کو خُوب اچھّی طرح جانتا اور مانتا ہے۔ جہاں تک عِلمِ عروض اور اُصولِ زبان و فن کا تعلق ہے پنجاب میں آپ کی رائے کو حرفِ آخر مانا جاتا ہے۔ آپ کو اُردو زبان پر قدرتِ کامل حاصل ہے۔ سکول اور کالج میں اوّل سے آخر تک ہندی اور سنسکرت کا وُہ طالب علم جس نے باقاعدہ تعلیم کے دوران میں فارسی کے قاعدے اور کسی اُردو ادبی کتاب کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔ اپنے ذاتی مطالعے سے اردو اور فارسی میں ممتاز علمی استعداد پیدا کر لے۔ یہ بات نہایت نادر الوقوع ہے۔ دوسرے معنوں میں اسے ایک معجزہ ماننا پڑے گا کہ آج اس طالب عِلم کی رائے اُردو ادب میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔ اُردو ادب کے اس چشمے سے سینکڑوں دریا جاری ہیں جو کشتِ سخن کو سیراب و شاداب کرتے چلے جا رہے ہیں۔

بلندیٔ تخیّل کے ساتھ ساتھ سلاست و رنگینیٔ بیاں۔ روانی و ندرت آپ کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ فصاحت و بلاغت کے دریا ہیں کہ اُمڈے چلے آتے ہیں۔ نہایت پُرگو ہیں۔ اور ہر صنفِ سخن میں بہت کچھ کہا ہے۔ جن میں دو شعر کہنے بھی محال ہیں۔ ایسی سنگلاخ زمینوں میں آپ کی معرکۃُ الآرا طویل غزلیں خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہیں۔ مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ کسی واحد شخص کا کیا ہوگا۔ تاریخِ عالم۔ مذہبیات اور ادبیات کے آپ ماہر ہیں۔ یادداشت کا یہ عالم ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے ہندو ہونے کے باوجود اسلامیات پر عبور حاصل ہے۔ کسی مد یا کسی شعبہ میں آپ کی عِلمیّت اور قابلیت کا احاطہ کرنا محال ہے۔ اِتنی جامع عِلمیّت و واقفیّت کا حامِل اِنسان کم از کم میری نظر سے اب تک کوئی نہیں گزرا۔ جن کمالات کا اِجتماع میں نے آپ میں دیکھا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی مجھے کسی واحد شخص میں نظر نہیں آیا۔

محکمہ السنہ پنجاب کے اِنعامی مقابلہ ۶۲-۱۹۶۱ء میں آپ کے شریمد بھگوت گیتا کے اردو منظوم ترجمہ کو پہلا اِنعام ملا تھا۔

ساحر سامی

نسیمِ نُورمحلی

پوسٹ کارڈ

بے مروّت ہوں مَیں بے حس ہُوں مَیں کورا ہُوں مَیں
پھر بھی ہر شہر میں ہر گاؤں میں بکتا ہوں میں
تین پیسوں سے زیادہ نہیں قیمت میری
لیکن اِس پر بھی زمانے میں ہے عزّت میری
گاڑیوں اور جہازوں میں سفر کرتا ہوں
زندگی سیر و سیاحت میں بسر کرتا ہوں
اب اِدھر تھا اب اُدھر ہوں گُل بازی کی طرح
ہر گھڑی میں متحرّک ہوں نمازی کی طرح
روک سکتی نہیں رستے کی رکاوٹ مجھ کو
ہر گھڑی منزلِ مقصود کی ہے رٹ مجھ کو
مینہ ہو آندھی ہو میں سرگرمِ سفر رہتا ہُوں
ہر مصیبت کے لئے سینہ سپر رہتا ہُوں

تختۂ مشق ہے ہر ضرب کو سینا میرا
مسکنِ امن ہے ہر کرب کو سینا میرا
آہنی نوک قلم چلتی ہے نشتر کی طرح
حرف ایک ایک گراں ہے مجھے پتّھر کی طرح
مُہر بھی مجھ پہ جو لگتی ہے تو بے دردی سے
کتنے دُکھ درد میں سہتا ہوں جواں مردی سے
بے کم و کاست ہر اک بات میں کہہ دیتا ہوں
مجھ پہ کچھ حرف بھی آجائے تو سہہ لیتا ہوں
حاکمِ وقت کی تصویر کا حامل میں ہوں
ہر زباں پر مجھے قدرت ہے کہ کامل میں ہوں
بے دھڑک لوگ ہر اک راز بھی کہہ دیتے ہیں
اُسی مُنہ سے مجھے غمّاز بھی کہہ دیتے ہیں
راز ہر ایک کا سینے میں چھُپا لیتا ہوں
سبھی پیغام حفاظت سے میں لا دیتا ہوں
کہنی آتی ہے سلیقے سے ہر اک بات مجھے
اِس لئے کہتے ہیں سب نصف مُلاقات مجھے

کالے کوسوں کا بھی پیغام ہیں لا دیتا ہوں
برسوں کے ہجر نصیبوں کو ملا دیتا ہوں
دُوسروں کی ہے زباں میرے دہن میں گویا
غیر کا بخت ہے جو ہے مرے ماتھے کا لکھا
کبھی ہنستی ہوئی صُورت کو رُلا دیتا ہوں
کبھی روتی ہوئی صُورت کو ہنسا دیتا ہوں
آنے والا غم و شادی ہیں برابر ہیں ہوں
ہر جگہ میری پہنچ ہے کہ پیمبر ہیں ہوں
جلوۂ شمعِ ہدایت ہے سیاہی میری
قابلِ قدر ہمیشہ ہے گواہی میری
پا پیادہ کبھی چلتا نہیں اِک گام بھی میں
خادمِ خلق بھی میں صاحبِ خدّام بھی میں
سینکڑوں ہیں مرے خادم تو ہزاروں نوکر
جو لئے پھرتے ہیں ہاتھوں پہ اُٹھائے گھر گھر

زنِ طلاق خواہ سے

جس کو سمجھ رہی ہے اضافہ وقار میں
در اصل وہ کمی ہے ترے اعتبار میں
قانونِ نو نے تجھ کو ہری چُگ بنا دیا
لے آئے خیر خواہ یہ کس خارزار میں
دامن سمیٹ جھاڑ کے کانٹے ہیں گرد و پیش
پلّو بچا جنونِ ہوس سے بہار میں
ست ونتیوں پہ مُلک کو کتنا غرور تھا
وہ بیج ہی رہے گا نہ اب اِس دیار میں
آخر جنم جنم کے پچھڑوں کی سُنی گئی
کب سے یہ بوالہوس تھے اِسی اِنتظار میں
مشکل ہے اب تمیز حرام و حلال کی
عدّت کا وقفہ بھی تو نہیں ہے شمار میں
حُکمِ طلاق لے کے عدالت سے باہر آ
ہے فوج شوہروں کی ترے اِنتظار میں

شاداں نہ ہو کہ آنکھ لگا مرد پائے گی
کھو دے گی نقد بھی تو اُلجھ کر اُدھار میں
گلچیں کی ہے حریص نگہ پھول پھول پر
یہ تو کوئی بہار نہیں ہے بہار میں

ہندو کوڈ بِل

خوش ہو اے ہندوستاں کی دُخترِ فیشن پرست
آج ہے ہر ایک قانونِ حکومت زن پرست
دیکھ ہندو کوڈ بِل نے تجھ کو کیا کیا دے دیا
مردِ غالب پر سواری کا وسیلا دے دیا
تھی بچھونا اوڑھنے کی اب تو چادر بن گئی
ناز کر تقدیر پر بیوی سے شوہر بن گئی
اب نہیں صبر آزما حدِّ وفا حدِّ فراق
اِس نئے قانون میں موجود ہے مدِّ طلاق
مختلف مردوں کی بیوی بننے کا پردہ ہے یہ
مختلف باپوں کے بچّے جننے کا نسخہ ہے یہ

جب ہو آزادی - نہ کیوں پھر گھر کا گھر آزاد ہو
کیوں نہ ساری نسل ہی مادر پدر آزاد ہو

تشطیر

بر غزلِ حضرت داغؔ دہلوی علیہ الرحمۃ

(اِس صنفِ سخن کا وجود اُردو اور فارسی ادب میں موجود نہیں۔ البتّہ عربی ادب میں موجود ہے۔ جلی قلم کے الفاظ اصل اشعار پر زیادہ کئے گئے ہیں)

وائے قسمت عیب نِکلا جو ہُنر پیدا کیا
سچ تو یہ ہے ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا
ہائے یہ کیا کھوئے دیتا ہے مجھے دُنیا سے وُہ
عمر بھر میں مَیں نے جس کو ڈھونڈ کر پیدا کیا
آسماں کیا آسماں تو آسماں ہی رہ گیا
کچھ کیا تو نام تُو نے فِتنہ گر پیدا کیا
رنج اُٹھائے داغ کھائے فُرقتِ اغیار میں
کس طرح یہ تم نے میرا سا جگر پیدا کیا

فکر اسے ہے
رزق دے گا
خود ترا ہی
بے ضرورت
ہوتا کچھ تو
بے کس و بے

شرم ہے پیدا کئے کی اُس کے ہاتھ
جس نے مجھ کو بے ہنر پیدا کیا
مُدعا یہ ہے کہ ہم دیکھیں تجھے
ورنہ کیوں نورِ نظر پیدا کیا
جینے دیتا کس کو داغِ رُوسیاہ
پر خدا نے دیکھ کر پیدا کیا

غزل

(بقیدِ یک قافیہ)

بچا کر جس کو گردابوں سے ہم لائے تھے مشکل سے
وہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ٹکرا کے ساحل سے

کبھی آپس میں ان کو ملتے جلتے بھی نہیں دیکھا
کوئی پرخاشِ باہم بھی نہیں ساحل کو ساحل سے

بہت نازک ہے وقت آنکھیں بھری بیٹھی ہیں پلکوں تک
مدد اے ضبط - یہ دریا نکل جائیں نہ ساحل سے

ڈبونے کو بہت ہے بارِ احساں ہی دُعاؤں کا!
چلا ہوں مہربانوں کی دُعائیں لے کے ساحل سے

اِدھر ہیں تو اُدھر ساحل ہیں بحرِ ہست کے دونوں
مُلاقاتِ بہم ممکن نہیں ساحل کی ساحل سے

کسی بے کس کی غرقابی کا غم کچھ کم نہیں ہوتا
ہر اک موج آج تک سر اپنا ٹکراتی ہے ساحل سے

فنا آمادگی پیشِ فنا رہنے نہ پائے گی
پلٹ جائے گی ہر موجِ فنا ٹکرا کے ساحل سے

بلا سے ناخدا بھی اب بلا ہو تو سر آنکھوں پہ
خُدا کا نام لے کہ ہم چلے آئے ہیں ساحل سے

بدل کر قافیہ بحرِ سُخن کو پیرنا ہوگا
نسیم اُکتا گئی ہے اب طبیعت قیدِ ساحل سے

غزل
(مختلف قوافی)

اب اِس حکمِ رہائی پر کہیں لبّیک کس دِل سے
قفس میں جی کو بہلایا تھا ہم نے سخت مشکل سے

گرایا مجھ کو نظروں سے۔ اُٹھایا مجھ کو محفل سے
کروں اس شوخیٔ اضداد کی تعریف کس دِل سے
ترے کوچے سے تیری رہ گذر سے تیری محفل سے
اُٹھا لایا ہُوں ٹکڑے دِل کے مَیں حسرت بھرے دِل سے
حیا مغلوبِ رغبت ہے عبارت عشقِ کامل سے
جہاں ملتی نہیں نظریں وہاں مِلتا ہے دِل دل سے
نہایت پُر سکوں ساحل مِلا گرداب کی تہ میں
کنارا پالیا ہم نے کنارا کر کے ساحل سے
بلا سے گور کے دروازے سے پہنچے ہیں محشر میں
خُدا کا شکر ہے اُٹھے تو ہم مُردوں کی محفل سے
مزا دے جائے دِل کی سرگزشتِ رنج و حسرت بھی
اگر کوئی کہے دِل سے۔ اگر کوئی سُنے دِل سے
تھپیڑے سینکڑوں موجوں کے گردابوں کے کھا کر بھی
جو دیکھا تو فقط ساحل پہ ہم پہنچے ہیں ساحل سے
نسیم انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے دِل اِس کا
بہت محتاط رہنا چاہئے اِنسان کو دِل سے

غزل

جنوں غم صبر اُلفت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے
محبت ایک دولت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

غمِ امروزہ، یادِ عیشِ ماضی - فکرِ آئندہ
پریشانی کی صورت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

لٹادوں مال وزر - ایمان کھودوں - جان و دل دے دوں
تقاضائے محبت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

خموشی بارِ دل - اظہار مشکل - آہ بے حاصل
مصیبت پر مصیبت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

حذر عصیاں سے - اُلفت بے کسوں سے - اُنس نیکی سے
عبادت سے عبارت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

مروں بُزدل جیئوں بے شرم اُٹھاؤں دل تو بے ہمت
مری قسمت میں تہمت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

کہا جاتا ہوں میں فرہاد بھی - مجنوں بھی - وامق بھی
مری اُلفت کی شہرت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

مقدر کا گلہ۔ تیری شکایت۔ چرخ کا شکوہ!

مری رُوداد فرقت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

غنیمت ہے قلق بھی۔ داغِ غم بھی۔ دردِ فرقت بھی

نسیم ان کی عنایت یوں بھی ہے یوں بھی ہے یوں بھی ہے

غزل

ہستی کا دَور کچھ بھی نہیں ۔ یہ تو کچھ نہیں!

سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

المتاف وجود کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

اب ہم پہ غور کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

اس عہد میں ہیں مرنے کے اسلوب سینکڑوں

جینے کا طور کچھ بھی نہیں ۔ یہ تو کچھ نہیں

انجام اِس تمام کشاکش کا اے حیات

مرنا ہے اور کچھ بھی نہیں ۔ یہ تو کچھ نہیں

اے قدر ناشناس یگانوں کے واسطے

جبر و قہر و جور کچھ بھی نہیں ۔ یہ تو کچھ نہیں

ساقی یہ رنگ کیا کوئی محفل کا رنگ ہے
"بس" اور "اور" کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

یارب الم کے رنج کے تشویش کے سوا
دنیا میں اور کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

زاہد ترے مراقبہ و اعتکاف میں
جز فکر و غور کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

حسن ادا کی ہوئی ہے تعریف اے نسیم!
معنی پہ غور کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں

غزل

آنکھیں مری گنگ و جمن ایک اِس طرف ایک اُس طرف
دریا ہیں یہ دو موج زن ایک اِس طرف، ایک اُس طرف

اُلفت میں لاگو جان کے دونوں ہیں قرب و ہجر دوست
ناگن اِک اس کے دو ہیں پھن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

دونوں سے عشق و حسن میں قائم ہے دولت کا بھرم
میں زرد رُو۔ وہ سیم تن ایک اِس طرف ایک اس طرف

قلب و جگر ہیں سینے میں ضربِ الم سے دم بخود
مُردے ہیں دو زیرِ کفن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

بارِ گنہ - خوفِ سزا دُنیا بلا عقبےٰ بلا
دونوں جہاں ہیں پُر محن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

دِل بھی جگر بھی دونوں ہی طالب ہیں میری جان کے
شیریں ہے اِک دو کوہکن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

آفت ہیں راہِ عشق میں دِل کے لیئے اُمید و بیم
اِک راہ رو - دو راہ زن ایک اِس طرف ایک اُس طرف

رہبر ہیں قعرِ موت کے دونوں مسرت ہو کہ غم
اِس غار کے ہیں دو دہن ایک اِس طرف ایک اِس طرف

نازاں ہیں جوش و نوح پر پنجاب و دہلی اے نسیم
دونوں ہیں اُستادِ سخن - ایک اِس طرف ایک اُس طرف

اے لذتِ حیات یہ کیا قہر کر دیا
حادث بنا دیا مجھے تو نے قدیم سے

قطعات

وائے پیری ضعف کو قوت ہے قوت کو ہے ضعف
عمرِ رفتہ کے تناسب سے بشر کم زور ہے
جسم ہی میں ہے کہیں باہر سے موت آتی نہیں
دی گئی ہے ہم کو جو گھڑی اسی میں چور ہے

ہو نہیں سکتی کسی صورت کمی مقسوم میں
اور کچھ اس سے سوا بھی کوئی پا سکتا نہیں
ہم سمندر سے گھڑا بھر لیں کہ بھر لیں حوض سے
اس میں پانی ظرف سے بڑھ کر سما سکتا نہیں

آدمی کا مرتبہ اونچا ہے علم و فضل سے
بیٹھ کر اونچی جگہ اونچا کوئی ہوتا نہیں
گو محل کے سب سے اونچے برج پر بیٹھا ہو زاغ
لیکن اس کے باوجود اس کا کوئی رتبا نہیں

لاکھ کامل ہو کتابی علم بے توقیر ہے
بے گورو حاصل جو ہو اس کا کوئی رُتبا نہیں
زوجۂ بدکار کو۔ یا زوجۂ نامرد کو
جیسے ناجائز حمل عزّت کبھی دیتا نہیں

جو رُوح سمجھتی ہے سرا قصرِ بدن کو
سودا اسے ہوتا نہیں آرائش تن کا
آیا ہو جو اِک رات بسیرے کی غرض سے
مسجد کی لپائی وہ مسافر نہیں کرتا

دُشمن کا ہاتھ تیری طرف جب کبھی بڑھے
تلوار اُٹھا کے تو اسے شانے سے کاٹ دے
بالفرض اِتنی طاقت و جرأت نہ تجھ میں ہو
لازم ہے پھر یہی کہ اسے بڑھ کے چُوم لے

جُوتا

جوڑا ہُوں ایک جنس کا نام ایک رنگ ایک
بکتا ہُوں عام شہر میں قصبے میں گاؤں میں
بکنے کے بعد میرے ٹھکانے ہیں صرف دو
سر پہ بُدوں کے۔ اور شریفوں کے پاؤں میں

رباعیات

کیوں طاری خوفِ گُمرہی ہم پر ہو؟
کچھ فرق ہو جس کے دِل میں اس کو ڈر ہو
در اصل ہیں ایک گھر کے دونوں رستے
مَے خانے کا در ہو۔ کہ حرم کا در ہو

فیّاض گھرانوں سے بھی خالی آئے
الماس کی کانوں سے بھی خالی آئے
غیرت نے ہمیں نصیب بستہ رکھا
ہم لُٹتے خزانوں سے بھی خالی آئے

بھرنا قسمت کا بھر لیا ہے مَیں نے
جی جان سے بھی گزر لیا ہے میں نے
لیکن اے زیست اپنے بدخواہوں میں
تجھ کو بھی شمار کر لیا ہے میں نے

خالق نے کسی کو نعمتِ زر دی ہے
جھولی افلاس سے کہیں بھر دی ہے
نام اس کا حکمت و مشیت رکھ کر
نا انصافی کی انتہا کر دی ہے

خود داری کا خیال اُٹھتا ہی نہیں
ہو تول کھرا تو مال اُٹھتا ہی نہیں
اُٹھ جاتے ہیں چشمۂ ترازو میں ہم
قیمت کا کوئی سوال اُٹھتا ہی نہیں

شفقت کی ضرورت ہے تو مہموم بنو!
غم خوار کی خواہش ہے تو مغموم بنو!
لکھ لو یہ قول میرا آبِ زر سے
ظالم نہ بنو نسیم مظلوم بنو!

ہر غم مانوس ہو گیا ہے ہم سے
دُنیا کو نجات مل گئی ہر غم سے
کیوں شاد نہ ہوں لوگ ہمارے غم پر
ہر غم سے بچے ہیں یہ ہمارے دم سے

چند مطلعے

ترکِ اُلفت کی جگہ ترکِ تمنّا کیجئے
ہو سکے تو عشق میں بھی حُسن پیدا کیجئے

مردانگیٔ عشق کے جوہر دکھائیں گے
زندہ رہے تو ہم تجھے مر کر دکھائیں گے

کبھی گردابِ حسرت میں کبھی گردابِ حرماں میں
بدن میں جان ہے جیسے کوئی کشتی ہو طوفاں میں

طبیعت ان پر آئی ہے مصیبت ہم پہ آئی ہے
یہاں چلتی نہیں پیری کسی کی یہ جوانی ہے

انجمن میں آج دورِ بادۂ سر جوش ہے
ہوش ہے کس کو جو دیکھے کس کو کتنا ہوش ہے

ترکِ اُلفت سے مرا دل اور بھی مشکل میں ہے
آرزو کی آرزو حسرت کی حسرت دل میں ہے

نکلیں گے نہ اب اس منزل سے ارمان مرے یہ کہتے ہیں
روشن ہیں بہت داغ اس دل میں ہم نور محل میں رہتے ہیں

ساحر سامی

تیجونت رائے نام۔ ساحر تخلص۔

جناب ساحر پنجاب کے اس مشہور و معروف خاندان سے
تعلق رکھتے ہیں جس کی تلوار اور قلم کا سب لوہا مانتے ہیں۔ ریاست
پٹیالہ کے سب سے پہلے وزیر اعظم دیوان پرتاپ رائے آپ کے
مورث اعلےٰ تھے۔ اس کے بعد اس قدیم خاندان میں مسلسل
سات پشتوں تک وزارتِ عظمےٰ کا عہدہ رہا۔ ریاست پٹیالہ
کے جنم داتا مہاراج بابا آلا سنگھ بہادر کا مندرجہ ذیل پٹہ ایک
ایسی متبرک اور مایہ ناز یادگار ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں
ملتی۔ تحریر ذیل ریاست ابد قرار کے مورث اعلےٰ کی طرف
سے ان کے مورثِ اعلےٰ کے نبیرے کے نام تحریر ہوئی ہے۔
"ابہت و ایالت مرتبت منشی دیا لال جیو شاد کام باشند۔
چونکہ ایشاں و والدِ ایشاں از ابتدائے دولت خیر خواہی۔ وفاداری
سرکار اینجانب از دل و جان مصروف ماندہ اند و باوجود خونریزی ہائے

بیشمار و خرابی ہائے بصره که واقعه شده ایشاں استحکام ایں ریاست
از پیشگاه ظلِ سبحانی کنانیدند و از راهِ رسوخ و عقیدتِ ایشاں
بنیادِ حکومتِ سرکار اینجانب بحکم ظلِ سبحانی قائم شد و از سرِ نو
ریاست اینجانب تازگی گرفت۔ قیمتے ایں خدماتِ ایشاں از
دلِ سرکار و اولادِ اینجانب ہرگز محو شدنی نیستند و اینجانب از
روئے قسم گرو گرنتھ صاحب اقرار مے کند که ایشاں و اولادِ
ایشاں برائے دوام شریک و خیرخواہی ریاست شدند و عوضانه
خدمت ہائے مذکوره ہر قدر از اراضی و مال که خواہند از سرکار
اینجانب گیرند۔ برائے شما ہیچگونه عذر نیست۔ تا وقتیکه ایں
ریاست قائم است علیحدگی ایشاں ازیں ریاست ہرگز منظورِ
ایں جانب نیست و نخواہد شد برائے آئنده که تسلّی نامۂ ولی شاه
وزیر اعلےٰ سبحانی که شما از کوششہائے بے پایاں آورده اند
برائے دوام یادگارِ ایشاں در سرکار است۔ تحریر بتاریخ یکم شوال
سنه اوّل جلوس والا۔

اِن کے بزرگ جہاں میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے
تھے۔ وہاں علم و ادب کے ایک نورانی مینار بھی تھے۔ پنجاب

گزیٹیر تاریخ سنام ان کارناموں کی شاہد ہے۔ ان کے دادا دیوان جسونت رائے صاحب دانش سنامی کنزرویٹر آف فارسٹ رہے۔ ہندوستان کی پہلی مردم شماری کے وقت آپ سپرنٹنڈنٹ مردم شماری ریاست پٹیالہ تھے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی اور سنسکرت کے فاضل اجل تھے۔ بیسیوں کتابیں لکھیں اور بیسیوں ترجمے کئے جو مسوّدوں کی صورت میں پڑے ہیں۔ اور دیمک انہیں چاٹ رہی ہے۔ کچھ کتابیں شائع بھی ہوئیں۔ جو آج نایاب ہیں۔

پنجاب کا پہلا اخبار آپ نے نکالا جس کا نام انبالہ گزٹ تھا۔ آپ کے والد ماجد دیوان بھگونت رائے بہار سنامی ایم اے ایس بی۔ ایم۔ پی ایچ۔ ایس نے ڈپٹی کمشنر کے منصب سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنے ادبی ذوق کو پورا کرنے کے لئے دہلی سے سنہ ۱۹۲۱ء میں رسالہ رئیس ہند نکالا۔ جو اُن کی وفات کے چند سال بعد تک چلتا رہا۔ شری بہار سنامی کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:۔

(۱) مراۃ الغیب (۲) اسرار دربار تاج گنج (۳) قولِ فیصل

(۴) تذکرہ قدامت (۵) تہذیبِ جدید (۶) اُردو قاعدہ منظوم (۷) تاریخ کمارسین (شملہ ہلز) (۸) لیاقت حیات (۹) لُطفِ کہسار (یہ کتاب ۲۱ سال کی عُمر میں لکھی گئی) (۱۰) کلیاتِ برہمن۔

ان کے علاوہ کئی کتابیں مسوّدوں کی صُورت میں پڑی ہیں۔ "سچی تاریخ پٹیالہ" کے نام سے ایک کتاب کا مسوّدہ بیس سال کی محنت سے آخری عمر میں مکمّل کیا تھا۔ پہلی کاپی کتابت کے لئے کاتب کے سپُرد کی تھی۔ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ان کی سب سے مشہور اور معرکۃ الآرا تصنیف "کلیاتِ برہمن" گزشتہ دس سالوں سے ایم۔اے فارسی اور منشی فاضل کے نصاب میں شامل ہے۔ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل محاکمہ شعر و شاعری ادبی دُنیا میں بہت بُلند مقام رکھتا ہے۔

جناب ساحر سناحی سنہ ۱۹۱۴ء میں مقام سنام پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کی اچانک اور بے وقت موت نے تعلیمی سلسلہ توڑ دیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ نہ کوئی رشتہ دار نہ یار و مددگار۔ مگر مالکِ کل نے وہ دست گیری کی۔ کہ بے شمار مشکلات کے باوجود آپ کا قدم آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ سمت ۱۹۹۰ بکرمی میں مہاراجہ ادھیراج نے

غیر معمولی خدمات کی بنا پر نائب تحصیلداری کا اُمیدوار منظور کیا۔
باقاعدہ سٹیل ہیٹڈ ٹریننگ اور پنجاب سے نائب تحصیلداری کا امتحان
پاس کرنے کے بعد سمت ۱۹۹۰ بکرمی میں نائب تحصیلداری کا چارج لیا۔
آپ جس تحصیل میں رہے نیا ریکارڈ قائم کیا۔ دو دفعہ غیر معمولی اچھا کام
کرنے پر نقد انعام ۷۰۰ روپے اور ۲۵۰ روپے ملا۔ حیدر نگر (تحصیل
مالیر کوٹلہ) کو ایسا ماڈل ٹاؤن بنایا جو ہندوستان بھر میں اوّل قرار دیا گیا۔
نیشنل سکیم میں دو آل انڈیا ریکارڈ قائم کئے۔ جناب ساحر کا تعلیمی
ریکارڈ کچھ عجیب انداز لئے ہوئے ہے۔ ۱۹۴۵ء میں آنرز ان پنجابی کا
امتحان پاس کیا۔ میٹرک ۱۹۴۶ء میں۔ اس کے بعد پھر گوناگوں
مصروفیات کی وجہ سے تعلیم کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ ۱۹۵۶ء میں
ایف۔ اے کا امتحان دیا۔ ۱۹۵۸ء میں بی۔ اے انگلش کا اور ۱۹۶۰ء
میں مکمل بی۔ اے کیا۔ پھر دفعتہً بیمار ہو گئے۔ اس وقت وہ زندگی کی
۴۹ بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ لیکن علمی شوق کی چنگاری ابھی تک موجود ہے۔
ان گوناگوں مصروفیات اور نو بچوں کے باپ ہونے کی وجہ سے خانگی
مصروفیات اور ذمہ داریوں کے ہوتے ۱۹۶۴ء میں ایم۔ اے پارٹ
اوّل کا امتحان دیا۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ آج تک ۷۴ سال کی عمر

کے بعد کسی نے پرائیویٹ طور پر ایم۔اے پاس کرنے کی جرأت نہیں کی۔ ان کا بھرتری ہری شتک (حصہ نیتی شتک) کا اُردو منظوم ترجمہ بھاشا وبھاگ پنجاب کے انعامی مقابلہ ۱۹۶۳-۶۴ء میں پنجاب بھر میں اوّل قرار دیا گیا۔ آپ نے علم و ادب کا شوق ورثہ میں پایا ہے۔ نظمیات وقطعات میں ان کی شاعری کی بلندی قابلِ داد ہے۔ موجودہ ماحول کی مجبوری سے غزلیات بھی لکھی ہیں۔ چھوٹی بحروں میں جو غزلیں ہیں۔ وہ بہت بلند ہیں۔ حالات نے آپ کی پروازِ سخن کو ماحول بستہ رکھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

مرے شعروں کی دولت لوٹ لی تحصیلداری نے
مری پرواز کو روکا ہے اِس خدمت گزاری نے

شاعری ورثے میں پائی تھی مگر ساحر مجھے
وہ ملا ماحول ذوقِ شعر دب کر رہ گیا

دِل میں جذباتِ محبت کا بڑا طوفان تھا
اِس پہ بھی جو بات کہنی تھی نہ اکثر کہہ سکا

نسیم نورمحلی

غزل

بازیٔ عشق کو یوں مات کہاں تھی پہلے
حسنِ دلدار میں یہ بات کہاں تھی پہلے

دِل عجب حال میں ہے تجھ سے مُلاقات کے بعد
اِس قدر شِدّتِ جذبات کہاں تھی پہلے

اِس میں شامل ہے ترے ہجر کے غم کا سایہ
اِتنی تاریک کوئی رات کہاں تھی پہلے

عشق کی لاگ سے یہ روگ ہُوا ہے پیدا
دہر میں مرگِ مفاجات کہاں تھی پہلے

زیرِ لب آہ بھی کرتے ہوئے اب ڈرتا ہُوں
ایسی مجبوریٔ حالات کہاں تھی پہلے

ناز انداز ادا عِشوہ سبھی ہیں قاتل
تیری ہر بات میں یہ بات کہاں تھی پہلے

عشقِ صادق سے تخیّل میں فسوں ہے ساحر
تیرے شعروں میں کرامات کہاں تھی پہلے

رونقِ محفل تمہارے دم سے ہے
تم نہیں تو رونقِ محفل نہیں!

ہر قدم پر فریب کھاتی ہے
کتنی بھولی ہے نوجوانی بھی

مرے ذوقِ جبیں سائی کے صدقے
مقدّر جاگ اُٹھا اس آستاں کا

خموشی سرِ بزم کام آگئی ہے
نگاہوں نے رودادِ دل کی کہی ہے

ہو بھروسا جو اس کی رحمت پر
کوئی منزل کڑی نہیں ہوتی
جس کو رونا کبھی نصیب نہ ہو
اس کی کھیتی ہری نہیں ہوتی
ایسے بھی ہیں مقام ہستی میں
جب خوشی بھی خوشی نہیں ہوتی
غم کے سانچے میں ڈھلنے سے پہلے
زندگی زندگی نہیں ہوتی

خرد کا بھی یہاں کوئی قدم سیدھا نہیں پڑتا
زمین مے کدہ کیوں ایسی ناہموار ہے ساقی
بلا کا حسن تھا۔ مجبور نظریں پڑ گئیں تجھ پہ
ذرا سی بات پر کیوں اِس قدر تکرار ہے ساقی
سفینہ تشنہ کاموں کا ہے گردابِ مصیبت میں
تری رحمت جو ہو جائے تو بیڑا پار ہے ساقی

فغاں برق بن کر گئی آسماں پر
کہاں جا کے چمکا مقدّر ہمارا
سہارے کو ملتے ہیں لاکھوں سہارے
نہیں بے سہاروں کا کوئی سہارا
مرا اعتبار اُٹھ گیا ہے خرد سے
مجھے تو ہی اے بے خودی دے سہارا

موت کا دم بہت ضروری ہے
ورنہ جینا عذاب ہو جائے
نغمۂ عیش ہی وہ کیا جس سے
سازِ ہستی خراب ہو جائے

تیرے الطاف میں رحمت کا اشارا پایا
تیرے اشفاق میں جینے کا سہارا پایا
تیری رحمت کے سمندر کا عجب عالم ہے
اس میں جو ڈوب گیا اس نے کنارا پایا

کس طرح ان کے تغافل کی شکایت کیجئے
کس طرح ان سے بیاں رازِ حقیقت کیجئے
سامنے ان کے نہیں ہے آنکھ اُٹھانی بھی محال
کس طرح ان پہ عیاں اپنی محبّت کیجئے

یہ گلستاں اور یہ رنگیں فضا کچھ بھی نہیں
یہ محبّت کی ادائے دِل رُبا کچھ بھی نہیں
یہ بہاریں۔ یہ فضائیں اور یہ رنگینیاں
اِک فریبِ وقت ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں

کس لئے رنج و مصیبت سے تو گھبراتا ہے
حَوصلہ ہو تو بُرا وقت گزر جاتا ہے
ہر الم ہوتا ہے تمہیدِ نشاط اے ساحرؔ
سختیاں جھیل کے اِنسان خوشی پاتا ہے

دِل میں ہر دم تری تصویر نظر آتی ہے
میرے خوابوں کی یہ تعبیر نظر آتی ہے
جس محبّت کی کبھی ہم نے بِنا ڈالی تھی
اِک محل آج وہ تعمیر نظر آتی ہے

ہماری اِس بلانوشی پہ کیوں ہے اعتراض اِتنا
عبث نامہرباں ہے تو عبث ناشاد ہے ساقی
نہ ہونگے ہم تو پھر یہ خم کے خم کس کام آئیں گے
ہمارے دم قدم سے میکدہ آباد ہے ساقی

فِطرت کے دِل فریب نظارے کہاں نہیں
رنگین و جاں نواز اشارے کہاں نہیں
یہ اور بات ہے کہ نہ اِنساں کو مِل سکیں
تسکینِ قلب وجاں کے سہارے کہاں نہیں

اب بے قراریوں کا وہ ساماں نہیں رہا
ذوقِ نظارۂ رُخِ تاباں نہیں رہا
جب دِل ہی مِٹ گیا تو کہاں حسرتوں کا نام
پھولوں کا ذکر کیا ہے گلستاں نہیں رہا

اے خدا مجھ کو بچا دوست نما دشمن سے
نام لے لے کے مروّت کا دغا دیتا ہے
رام رام اس کے ہے منہ میں تو بغل میں ہے چھری
ہر طرف مکر کا اک جال بچھا دیتا ہے

تقدیر سو رہی ہے جگانے کب آؤ گے
بستی ہے دل کی سونی بسانے کب آؤ گے
اک عمر سے ہے بارشِ رحمت کا انتظار
دل میں لگی ہے آگ بجھانے کب آؤ گے

اپنے غم کو جو بھلاتے تھے وہ انساں اور تھے
دوسروں کا غم جو کھاتے تھے وہ انساں اور تھے
باعثِ افسردگی ہے آج کل کی دوستی
جو کلی دل کی کھلاتے تھے وہ انساں اور تھے

قلبِ انساں ہے مقامِ آرزو
چل رہا ہے دور جامِ آرزو
آرزو پوری اگر ہوتی ہے ایک
اور آتا ہے پیامِ آرزو

خیالوں کے سمندر میں بڑے طوفان اُٹھتے ہیں
جوانی جس کو کہتے ہیں قیامت خیز ہوتی ہے
کِسی منزل پہ رُکتے ہی نہیں اس کے قدم ساحرؔ
سمندِ شوق کی رفتار اِتنی تیز ہوتی ہے

مرے حِصّے میں چھلکتا ہُوا جام آیا ہے
آج لب پر مرے کِس شخص کا نام آیا ہے
خوش نصیب آج کوئی مجھ سا نہیں اے ساحرؔ
سرخوشی اور مسرّت کا پیام آیا ہے

جِن شہنشاہوں نے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا
جِن فرشتوں کو کوئی طاقت نہ بس میں کر سکی
وہ رِشی جن کی نظر میں ساری دُنیا ہیچ تھی
ان کی نیّت نفس کی منزل میں ٹھوکر کھا گئی

جہاں میں کون اے ساحرؔ کسی کے کام آتا ہے
جو آتا بھی ہے کوئی تو برائے نام آتا ہے
شراب بے وفائی عام مِلتی ہے زمانے میں
بڑی مشکل سے حِصّے میں وفا کا جام آتا ہے

معذرت

جب یہ تذکرہ مکمل ہؤا تو معاً میرے دِل میں یہ خیال پیدا ہؤا۔ کہ اگر مجھ میں ہندوستان کے موجودہ شعرا کا تذکرہ مرتّب کرنے کی طاقت نہیں ہے تو کم از کم ان کا ذکرِ خیر کسی نہ کسی صُورت میں ضرور ہونا چاہیے۔ میں نے اپنی واقفیت کے ناطے پر سب کو خطوط لکھے جن کے جوابات آئے ان کے پانچ پانچ شعر اس تذکرہ میں شامل ہو گئے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار اچھے شاعر ہیں جن کا ذکر اس تذکرے میں مناسب ہے۔ مگر اس کے لئے میرے حافظے کی کمزوری اور محکمہ ڈاک کی مہربانی ذمہ دار ہے۔

میں معافی چاہتا ہوں کہ حقیقت زباں پر آگئی ہے۔ ہر شاعر کا اپنا مقام ہے۔ مگر اس کا تعیّن میرے بس کا روگ نہیں ہے یہ بھی محفوظ سمجھا گیا کہ حروفِ تہجّی کے لحاظ سے پہلے محترم اساتذہ کا ذکر کر دیا جائے اور اس کے بعد حروفِ تہجی کے لحاظ سے بار دگر دیگر مشاہیر کا ذکر کر دیا جائے۔ یہی طریقہ پیپسو کے شعرا کے تذکرے میں برتا گیا ہے۔ میں نے اپنی دانست میں ہر طرف سے اپنا دامن بچا لیا ہے۔ اس پر بھی کسی کو شکایت ہو تو معافی کا خواستگار ہوں۔

ساحر سامی

منوہر سہائے انور

تواضع یہ مدارات کہاں تھی پہلے
آج کیا بات ہے یہ بات کہاں تھی پہلے
آج اعلانِ حقیقت پہ زباں کٹتی ہے
اس عمل کی یہ مکافات کہاں تھی پہلے

وہاں سے ہم خود اپنے آپ کو آواز دیتے ہیں
جہاں آواز میں آواز کا عالم نہیں ہوتا
ہُوا کرتا ہے حسُن و عِشق کا انجام غم ناکی
وہ کم ہو کر نہیں بڑھتا۔ یہ بڑھ کر کم نہیں ہوتا

دوستوں سے بچے رہو انور
دوستی کس کو راس آئی ہے

جوشؔ ملسیانی

آگ ہے آگ تری تیغِ ادا کا پانی
ایسے پانی کو میں ہرگز نہ کہوں گا پانی

حال پوچھو نہ مرے گریۂ غم کا مجھ سے
اس کے کہنے سے بھی ہوتا ہے کلیجا پانی

کر دیا سب کو ترے تیرِ نظر نے سیراب
جس کے سینے پہ لگا اس نے نہ مانگا پانی

ڈوب جاتے ہیں اُمیدوں کے سفینے اس میں
میں نہ مانوں گا کہ آنسو ہے ذرا سا پانی

ترکِ مے خانہ گوارا نہ کروں گا ہرگز
راس ہے میری طبیعت کو یہاں کا پانی

تلوک چند محرومؔ

رباعیات

دروازہ نجات کا بیاباں میں نہیں
دل کا آرام قصر و ایواں میں نہیں
تسکیں جنت میں بھی نہیں مل سکتی
جب تک موجود قلبِ انساں میں نہیں

زندہ ہیں تری رضا پہ مرنے والے
یہ ڈوب کے ہیں پار اُترنے والے
بے خوف وہی ہیں جن کو ہے خوف ترا
کس سے ڈرتے ہیں تجھ سے ڈرنے والے

منوّر لکھنوی

حُسن ہوتا ہے نمودار تو پردا کر کے
روشنی سامنے آتی ہے اندھیرا کر کے

فنا کا کیا اثر مجھ پر بقا کا کیا اثر مجھ پر
طریقِ عشق میں ایسے مقام آتے ہی رہتے ہیں

دِل کا ایک ایک داغ بجھتا ہے
زندگی کا چراغ بجھتا ہے

مری روش سے سمجھ لے نہ کوئی غیر مجھے
سنبھل کے پاؤں خود اپنے ہی گھر میں رکھتا ہوں

روشنی حد سے زیادہ نہ بڑھے
سامنے میرے اندھیرا نہ کرو

فراق گورکھپوری

عشق بھی جرم - ترکِ عشق بھی جرم
یہ مصیبت میں ہے مصیبت اور

نصیبِ آرزو جو کچھ سُنا دے
"نہیں" ہے دُور اس لب سے نہ "ہاں" دُور

ٹھکانا ہے کچھ اس عذرِ ستم کا
تری نیچی نظر ہے اور میں ہوں

وہ کوئی رنگ ہے جو اُڑ نہ جائے اے گُلِ تر
وہ کوئی بُو ہے جو رُسوا نہ ہو زمانے میں

وہی ہم ہیں وہی تم ہو وہی دل ہے لیکن
کچھ نہ کچھ سب کے بدلتے ہوئے آثار سے ہیں

میلارام وفاؔ

بڑا بیداد گر وہ مہ جبیں ہے
مگر اتنا نہیں جتنا حسیں ہے

خُدا کے نام پر دست دگریباں ہیں خُدا والے
بہت ہے جس قدر ذکرِ خُدا خوفِ خدا کم ہے

ہاتھ کھینچا جفا سے بھی تم نے
کِس قدر بے وفا ہو گئے تم

مُنہ سے سرکا رہے ہو کفن کیا
جاؤ تم سے خفا ہو گئے ہم

زندگی خاک میں بھی تھی ترے دیوانے سے
اَب نہ اُٹھے گا بگولہ کوئی ویرانے سے

ابرؔ احسنی گنوری

سوز باطن ہیں بظاہر نغمہ
زندگی تاج محل ہو جیسے

عشق خودؔ دار ہے ۔ حُسن مغرور ہے
میں بھی مجبور ہوں ۔ وہ بھی مجبور ہے

کیوں مری پکار اس کے کان تک نہیں جاتی
میں نِکل گیا آگے غالباً زمانے سے

دیئے جاتے ہیں ٹانکے زخمِ دل پر کتنی محنت سے
اگر آنے لگی ان کو بھی انگڑائی تو کیا ہوگا

سرِ پُرشوق کا اور ان کے پائے ناز پر جانا
ٹھہر جانا یہیں اے گردشِ دوراں ٹھہر جانا

اختر رضوانی

رباعیات

دُکھ درد سے کس وقت شفا مِلتی ہے
کب زخمِ محبّت کی دوا مِلتی ہے
اَیسے بھی ہیں کچُھ لوگ جنہیں دُنیا میں
ناکردہ گناہی کی سزا مِلتی ہے

اُلفت کا فسُوں کچُھ بھی نہیں دِل کے بغیر
یہ رازِ دروں کچُھ بھی نہیں دِل کے بغیر
اِک چھوٹے سے تِل پر ہے دو عالم کا مدار
یہ وہم و جنُوں کچھ بھی نہیں دِل کے بغیر

بسمل سعیدی

دو دِن میں ہو گیا ہے یہ عالم کہ جس طرح
تیرے ہی اختیار میں ہوں عمر بھر سے ہم

دِل دھڑکنے ہی لگا آنکھ جھپکنے ہی لگی
با وجودیکہ بہت دُور سے دیکھا تم کو

کِس قدر اُن کی طبیعت پہ گراں ہوتا ہے
جس فسانے میں وفاؤں کا بیاں ہوتا ہے
شدّتِ شوق کا اللہ رے فسوں اُف رے فریب
اُن کی نفرت پہ محبّت کا گماں ہوتا ہے

کہتے ہیں محبّت فقط اس حال کو بسمل
جس حال کو ہم اُن سے بھی اکثر نہیں کہتے

دردِ نکودری

مجھ سے کہتے ہیں کہ دُنیا ہیچ ہے
ہائے اِن لوگوں کی دُنیا داریاں

مریضِ محبّت چراغِ سحر ہے
دُعا کر رہے ہیں دوا کرنے والے

مریضِ غم کے شاید آخری لمحات آپہنچے
کہ جھونکے نیند کے آنے لگے تیمارداروں کو

اے رہروانِ راہِ عدم ٹھہریئے ذرا
آتا ہوں میں بھی پاؤں سے کانٹا نکال کے

کِسی کا نام لے کر رو دیا ہوں
اِسی کا نام شاید آرزو ہے

رتن پنڈوروی

یہ کون سا مقام ہے اے جوشِ بے خودی
رستہ بتا رہا ہوں ہر اِک رہ نما کو میں

رُوئے جاناں کی تجلّی سے اُڑے ہوش و حواس
خود تماشا بن گیا ہوں یہ تماشا دیکھ کر!

اپنے ہی گھر میں بِلا ڈھونڈ رہے تھے جس کو
اس کو پانے کے لئے خود ہی کو پائے کوئی

غم کی بستی عجیب بستی ہے
موت مہنگی ہے جان سستی ہے
خاک ساری کی شان کیا کہیے
کِس قدر اوج پہ یہ پستی ہے

ساحر سیالکوٹی

محبّت کا نشاں تک بھی زمانے میں نہیں ملتا!
اُٹھا کر چیز یہ اے آسماں تو نے کہاں رکھ دی
یہ خورشیدِ منوّر مے کدے کا جامِ زرّیں ہے
کہاں کی چیز تھی اے آسماں تو نے کہاں رکھ دی

ترے خرام نے محشر کا راز کھول دیا
بنا ہوا تھا معمّہ یہ اِک جہاں کے لئے

پہلے تو ذِکر گردشِ ایّام آ گیا
پھر دوستوں کے لب پہ مرا نام آ گیا
شکرِ حصُولِ دانہ کرے بھی تو کیا کرے
وُہ طائرِ حزیں جو تہِ دام آ گیا

ساحر ہوشیارپوری

اُف رى نيرنگياں زمانے کی
آدمی آدمی سے ڈرتا ہے

سہاروں پر بھروسا کرنے والو!
سہارے تم کو لے جاتے کہاں تک

چمن میں شگوفے جُھلستے رہے
بیاباں میں برسات ہوتی رہی

مَوت سے کِس لئے ڈروں کہ یہاں
مَوت تو ہر نفس حیات میں ہے

یہ ان اہلِ سحر کو کیا معلوم
نُور کِتنا سیاہ رات میں ہے

ساغر نظامی

مرے مٹتے ہی مِٹ جائیں گی شانیں حُسن برہم کی
تری زُلفوں کے چرچے ہیں مرے حالِ پریشاں تک

شک نہ کر میری خُشک آنکھوں پر
یوں بھی آنسُو بہائے جاتے ہیں

یہ مے کدہ ہے ترا مدرسہ نہیں واعظ
یہاں شراب سے اِنساں بنائے جاتے ہیں

میرا دستِ طلب جھٹک تو دیا!
تیرے ظرفِ کرم پہ کیا گذری

سنگ کو بُت کی شکل دی صنعتِ بُت تراش نے
مَیں نے مگر تراش کر بُت کو خدا بنا دیا

سورج کنول سرور

حادثاتِ زندگی سے کھیلئے تو بات ہے
زندگی پر کھیل جانا تو کوئی مشکل نہیں

دیکھ کر ہم کو بُرے حال میں ہنسنے والو
حادثے تم کو بھی دیوانہ بنا سکتے ہیں

میرے دِل میں قیام ہے جس کا
اُس کی صُورت کچھ آپ کی سی ہے

نظر آتی ہے گو دُنیا بہت کچھ
مگر کچھ بھی نہیں ہم جانتے ہیں

لُطف تو جب ہے بادہ نوشی کا
ہم پئیں آپ کو سرُور آئے

نریش کمار شاد

دِل لاکھ سخت جاں ہو مگر ٹوٹ جائے گا
یارانِ پُر خلوص کی امداد چاہیئے

جیسے مری نگاہ نے دیکھا نہ ہو کبھی
محسوس یہ ہُوا تجھے ہر بار دیکھ کر

زندگی! تیرا بہر حال ارادہ کیا ہے
تو مری جان مری جان کی خواہاں تو نہیں

حُسن نے جس وقت اُٹھائی اپنے چہرے سے نقاب
مجھ کو اپنے آپ سے رُوپوش ہو جانا پڑا

وہ رات جو کٹی تری زُلفوں کی چھاؤں میں
وہ رات ایک رات سے پہلے گزر گئی

شباب للت

کوئی ہم سفر تھا نہ راہ بر۔ کوئی نقشِ پا تھا نہ راہ تھی
ترے در پہ مجھ کو جو لے گئی۔ وہ ترے کرم کی نگاہ تھی

ایک گہری خامشی ہے شورِ طوفاں کا جواب
اے دلِ ناکام عالی ظرفیٔ ساحل کو دیکھ

زندگانی کا سفر مشکل سہی دل کش تو ہے
بے نیازی سے نہ یوں اس کی ہر اک منزل کو دیکھ

اے دشمنِ خلوص و وفا تجھ کو کیا خبر
کیا لوگ تھے جو تیری تمنّا میں مر گئے

حاصلِ زندگی ہیں وہ لمحے
جو تری یاد میں گزارے ہیں

عرشؔ صہبائی

آج طنزاً یہ مُسکراتی ہے
کل مگر ہم کو روئے گی دُنیا

کلی ہو پھُول ہو شبنم ہو ذرّہ ہو ستارا ہو
نظر والے تجھے ہر رنگ میں پہچان لیتے ہیں

اہل دنیا نے توجّہ تک نہ کی اس پر مگر
کہنے والے دردِ دل کی داستاں کہتے رہے

اے شدّتِ دردِ زخمِ جگر۔ مرہم نہ سہی نشتر ہی سہی
ہم اس کو سمجھتے ہیں اپنا۔ جو وقت پہ کام آجاتا ہے

آپ کو بھی دیکھنے والے نہ دیوانہ کہیں،
بے تکلّف اِس طرح بیٹھیں نہ دیوانے کے پاس

قیسؔ جالندھری

جتنی کٹتی ہے کچھ اس سے بھی سوا بڑھتی ہے
کیا خبر ہجر کی یہ رات کہاں تک پہنچے
کیا کہے کوئی جو شرما کے کہے یہ کوئی
جو کوئی سُن لے تو یہ بات کہاں تک پہنچے

ڈرتا ہوں یہ بھی میرا فریبِ نظر نہ ہو
مجھ پر تری نگاہ عجیب اتّفاق ہے

حُسن ہی حسن نظر آنے لگا
جب نظر حُسنِ نظر تک پہنچی

اللہ رے اس بزم میں حیرت کا یہ عالم
پردے کے نہ ہونے پہ بھی پردا نظر آیا

کرشن موہن

جب سے اپنا لیا ہے غم نے مجھے
غم بھی اِک کیفیت خوشی کی ہے

مانا کہ تیرے لطف و کرم بے حساب ہیں
میرے گنہ بھی آ نہیں سکتے شمار میں

حیات و مرگ کی آویزشِ مسلسل نے
بشر کو زہر کے ساغر پلائے ہیں کیا کیا

جب تمہارا سُراغ ملتا ہے
زندگی کا سُراغ پاتا ہوُں

پردہ پوشی مرے معائب کی
ہے ستائش ترے محاسن کی

کمال کرتارپوری

عِشق کی راہ میں اندیشۂ انجام نہ کر
ورنہ یہ کام نہ کر عِشق کو بدنام نہ کر

کتنے خوش فہم تھے ہم جو یہ خطا کر بیٹھے
تیری رحمت کے بھروسے پہ دُعا کر بیٹھے

دسترس پھول تک آسان سمجھنے والے
دیکھ کانٹے بھی ہیں دامن سے اُلجھنے والے

کمر بارِ عِصیاں نے اِتنی جُھکا دی
مرے پاؤں ہی سر کو ٹھُکرا رہے ہیں

یقیں تھا دِل کی لگی اب نہ گھر سے نِکلے گی
خبر نہ تھی لگی تلوں کی سمر سے نِکلے گی

گوپال مِتّل

کج کلاہی کی ادا یاد آئی
کوئے قاتِل کی ہوا یاد آئی

یہ جو زخم سینے کا۔ بن گیا ہے اب ناسُور
چاک تھا گریباں کا۔ جِس کو سی لیا میں نے

سر میں ہوائے دشتِ جنوں ہے بھری ہوئی
شہرِ خرد کی خاک مگر چھانتا ہوں میں

ٹوٹا ہے اپنے زعم وفا کا طلسم آج
محسوس ہو رہا ہے کہ تو بے وفا نہ تھا

ہوس کو سہل نہ سمجھو ہوس کے رستے میں
کہیں کہیں تو محبّت کا اِحتمال بھی ہے

رام کرشن مُضطرؔ

رُخ پہ وُہ زُلف جب بِکھرتی ہے
کیا کہوں دِل پہ کیا گذرتی ہے

یہ کیا خبر تھی تو بھی زمانے کے ساتھ ہے
اے چشمِ دوست ہم تو تری بات پہ گئے

سر تا بقدم آئینہ غنچہ و شبنم
اُس جانِ گلُستاں کا ہر انداز نیا ہے

کوئی آواز پہ آواز دِئے جاتا ہے
سوچتا ہوں یہ تری یاد کا عالم تو نہیں

آپ کے حسنِ تغافل کی قسم کھاتا ہوں
یہ عنایت کی نظر ہے مجھے معلوم نہ تھا

منصور نسیمی

آپ جھوٹی قسم بھی کیوں کھائیں
آخر اِس میں ہے دو تہائی سَم

کیا میّسر ہو لُطفِ تنہائی!
بے کسی آس پاس رہتی ہے

قابلِ یاد ہم نہیں لیکن!
تم ہمیں بھُول بھی نہیں سکتے

اِک نظر بات کچھ نہیں لیکن
دیکھ لیں وہ تو بات کتنی ہے

یاد ہے یہ تو کہ گزرا تھا ادھر سے کوئی
پھر مرے جی پہ جو گزری وہ نہیں یاد مجھے

ہُما ہرنالوی

انہیں میں سانس میں لیتا ہوں اے خوشا تقدیر
مِلی ہوئی تری سانسیں ہیں جن ہواؤں میں

کِسی کی یاد سے فرصت مِلے تو یہ سوچیں
کِسی کے دِل میں ہماری بھی یاد ہے کہ نہیں

جفائیں جو اب وہ کئے جا رہے ہیں
مجھے کچھ بھی ان کی شکایت نہیں ہے

گِلہ اُن وفاؤں کا ہے میرے لب پر
جو ہوتی رہی ہیں جفاؤں سے پہلے

ایک ہلکا سا تبسّم اک اُچٹتی سی نظر
مجھ کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے

پُورن سنگھ ہُنر

اِس سے پہلے تو ہر اک پھُول کا چہرہ تھا اُداس
آپ آئے ہیں تو گُلشن میں بہار آئی ہے

انداز یہ کہتا ہے ترے لُطف و کرم کا
پہلے بھی کبھی تجھ سے مُلاقات ہوئی ہے

کیسی کیسی اُمیدیں دِل میں لے کے آیا تھا
لیکن آپ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتے

مے کا ایک ساغر بھی دے سکے نہ تم مجھ کو
زہر کے کئی ساغر وقت نے پلائے ہیں

جو رُلا کے پھر ہنسائے وہ تو دل نواز ٹھہرا
جو ہنسا کے پھر رُلائے اسے آپ کیا کہیں گے

اَمر

نام رنبیر سنگھ۔ ۴ جون ۱۹۱۰ء کو بمقام پٹیالہ بہ خانہ مہتہ نرنجن داس وت تولّد ہُوا۔ ۱۹۲۹ء میں میٹرک کے بعد ہفتہ وار گورو گھنٹال لاہور میں اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہُوا۔ یہی گورو گھنٹال نظم و نثر لکھنے میں میرا اُستاد ہے۔ گورو گھنٹال کی ملازمت کے دوران میں نصف درجن کتب بھی شائع کیں جن میں ایک افسانوں کا مجموعہ "آنسوؤں کی لڑی" اور ایک گیتوں کا مجموعہ "رادھا کے گیت" قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کا پیش لفظ سر عبدالقادر نے تحریر کیا۔ نظم و نثر اچھی بُری جو بھی لکھتا ہوں۔ آمد سے لکھتا ہوں۔ آورد سے نہیں۔ غزل میں یہ آمد خاص طور پر اظہار پاتی ہے۔ عموماً مُشکل زمینوں میں لکھتا ہوں۔ اور مشکل زمینوں میں ہی شگفتہ شعر کہہ سکتا ہوں۔

اس وقت میری تین تصانیف زیرِ طبع ہیں۔ اوّل مجموعۂ غزلیات حصّہ اوّل بہ عنوان "نقشِ جاوید" نمبر ۲ "خود نوشت سوانح بعنوان "میری رام کہانی" اور تیسری افسانوں کا مجموعہ بعنوان "ٹھنڈی آگ"۔ بشرطِ حیات ہر سہ کے تین تین حصے شائع کروں گا۔ یار زندہ صحبت باقی۔

۱

معصوم تھا وہ شوخ ابھی کل کی بات ہے
کچھ دیر کی نہیں ہے اجی کل کی بات ہے
اِک شب میں کیا ہوا تو ہی شبنم ذرا بتا!
باغِ جہاں میں گُل کی ہنسی کل کی بات ہے
دُہرا رہا ہوں جس کو بہ اندازِ دل لگی!
ہوتی تھی میرے دِل کی لگی کل کی بات ہے
دیکھو تو عمرِ خضر بھی نِکلے گی ایک دِن
ماضی ہزار دُور سہی کل کی بات ہے
صد حیف ان کا اہلِ نظر میں شمار ہے
وہ لوگ جن کی کم نگہی کل کی بات ہے
پوچھا جو مَیں نے خِضر سے پیدا ہوئے تھے کب
اِک آہ بھر کے بولا یہی کل کی بات ہے
دُنیا میں اعتبار کِسی کا نہیں اثرؔ
دھوکا دیا تھا دِل نے ابھی کل کی بات ہے

۴

جگر کے داغ زمانے سے تم چھپا کے چلو
گراں قدم بھی اگر ہو تو مسکرا کے چلو
اُٹھو وطن کے جوانو! قدم اُٹھا کے چلو
وہ سامنے رہی منزل قدم بڑھا کے چلو
جو چاہتے ہو یہ ہر گام راہِ روشن ہو
جلو میں لعل و جواہر سے رہنما کے چلو
تمہارا چلنا ہی کچھ کم نہیں قیامت سے
کہیں جو چہرے سے آنچل ذرا ہٹا کے چلو
گرا نہ دینا یہ اشکوں کے قیمتی موتی
بہ احتیاط انہیں پلکوں پہ تم اٹھا کے چلو
ہمیں ہمالہ کی تقدیس کو بچانا ہے
یہ وقت کا ہے تقاضا قدم ملا کے چلو
وطن میں جس کی امر یادگار رہ جائے
کچھ ایسا کارِ نمایاں یہاں اٹھا کے چلو

۳

بات ان سے نہ ہو سکی مِل کے
رہ گئے دِل میں ولولے دِل کے
راز سب زندگی کی محفل کے
کُھل گئے ہم پہ خاک میں مِل کے
میرے زخموں پہ صحنِ گُلشن میں
پھُول ہنستے ہیں خوب کِھل کِھل کے
آنکھ پُرنم ہے ہر گُلِ تر کی
کون نغمے سُنے عنادل کے
ہر قدم پر گمانِ منزل ہے
کون کھائے فریب منزل کے
خوف کھاؤں گا کیا تلاطم سے
کھا چکا ہوں فریب ساحل کے
اَب بہار آئے یا نہ آئے امر
دِل ہی مُرجھا گیا مرا کِھل کے

بسمل کپورتھلوی

گوردیال نام۔ بسمل تخلص۔ سن ولادت ۱۹۱۰ء۔ والد کا نام شری بُڈھا مل۔ آبائی وطن کپورتھلہ۔ میرا خاندان کپورتھلہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے ایف۔ اے تک تعلیم کپورتھلہ میں حاصل کی۔ اس کے بعد بی۔ اے کرنے کے لئے دیال سنگھ کالج لاہور میں داخل ہوا۔

میرے طالب علمی کے زمانے میں کپورتھلہ شعر و شاعری کا اچھا خاصا مرکز تھا۔ جہاں مجھے بعض اچھے اچھے ادیبوں اور شاعروں سے ملنے کے مواقع میسر رہے۔ میری شاعری کا آغاز یہیں سے ہوا۔

لاہور جانے کے بعد مجھ پر دنیائے شاعری اور بھی وسیع ہو گئی۔ حضرت علامہ تاجور نجیب آبادی دیال سنگھ کالج میں اردو اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ ان کی نگاہِ التفات سے بہت کچھ فیضیاب ہونے کی سعادت نصیب ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ میری شاعری میں وہ انداز پیدا ہو گیا جسے اہلِ نظر نے درخورِ اعتنا سمجھا۔ کالج چھوڑنے کے بعد میں نے جناب جوش ملسیانی قبلہ سے اصلاح لی۔

میرا مجموعۂ کلام "ساز و نغمہ" کے عنوان سے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکا ہے۔

۱

حسرتِ ناکام سے ٹکرا گئی
زندگی آلام سے ٹکرا گئی

یہ شکستِ توبہ کی آواز ہے
یا صراحی جام سے ٹکرا گئی

زندگی ہر خوبصورت موڑ پر
گردشِ ایّام سے ٹکرا گئی

میری فطرت وقت سے کھا کر شکست
اتفاقاً جام سے ٹکرا گئی

اللہ اللہ تشنگی کا حوصلہ!
ان کے فیضِ عام سے ٹکرا گئی

میری رودادِ الم تھی مختلف!
کیوں مذاقِ عام سے ٹکرا گئی

کھل کے بسملؔ جب ہنسی کوئی کلی
غم اثر پیغام سے ٹکرا گئی

۲

اچھّا ہُوا کہ، ان کی نگاہیں بدل گئیں
اے دوست ہم فریبِ تمنّا سے بچ گئے

پیرِ مُغاں کی مست نگاہوں کا شکریہ
ہم اہتمامِ ساغر و مینا سے بچ گئے

ہم نے کیا تھا چاک گریباں گلوں کے ساتھ
ہم کیوں نگاہِ اہلِ تماشا سے بچ گئے

ان کو تری نگاہِ محبّت نے چُن لیا
کچھ خاص لوگ جو غمِ دُنیا سے بچ گئے

مِلتا کبھی نہ عشرتِ امروز کا مزا
اچّھا ہُوا کہ ہم غمِ فردا سے بچ گئے

ان سے سنور رہی ہے عروسِ حیاتِ نو
جو رنگ میرے نقشِ تمنّا سے بچ گئے

بسمِلؔ جنوں میں مقام کے دامانِ اِنضباط
ہم خود نگاہِ اہلِ تماشا سے بچ گئے

۳

بقدرِ ظرف نہیں اضطرابِ سوزِ دروں
یہ اور بات ہے کچھ دل کو آچلا ہے سکوں
کہیں مذاقِ جنوں کا بھرم نہ کھل جائے
میں آہ کرنے سے پہلے ذرا یہ سوچ تو لوں
کسی کی مست نظر سے یہ پوچھنا ہے مجھے
ترے فسوں سے کہاں تک بقیدِ ہوش رہوں
زباں کو مصلحتِ عشق نے کیا ساکت
مرا خیال تو تھا ان کو بے وفا کہہ دوں
فقط فغاں ہی نہیں حاصلِ بیانِ الم
بہت ہیں اور بھی انداز ائے دلِ محزوں
ترے خیال کی رعنائیوں میں گم ہو کر
سمو لئے ہیں نظر میں طلسم گوناگوں
طلب کی راہ میں بسمل رواں دواں ہو کر
مزا تو جب ہے سہاروں سے بے نیاز رہوں

بشیر مالیر کوٹلوی

میں ۱۸۸۳ء میں بمقام مالیر کوٹلہ ایک متوسط الحال شریف خاندان میں پیدا ہوا۔ مالیر کوٹلہ ہی میں میٹرک پاس کیا پھر اعلیٰ تعلیم کے لیئے مہاراجہ کالج جے پور میں داخل ہوا جس کا تعلق انگریزی تعلیم کے سلسلہ میں الٰہ آباد اور کلکتہ یونیورسٹیوں سے تھا۔ اور فارسی۔ عربی اور سنسکرت کے سلسلہ میں پنجاب یونیورسٹی سے تھا میں نے الٰہ آباد یونیورسٹی کا کورس انتخاب کر کے بی۔ اے تک تعلیم کی تکمیل کی۔ اور پرائیویٹ طور پر منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے اور ۱۹۰۵ء میں اپنے وطن مالیر کوٹلہ میں واپس آیا۔ اُس وقت نواب سر احمد علی خاں مرحوم فرمانروائے ریاست تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے سٹاف میں بعہدہ اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری مقرر فرمایا۔ اور اس کے بعد بڑے سے بڑے عہدوں پر مامور رہا۔ اور ۱۹۴۳ء میں پنشن پر ریٹائر ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا۔ تاہم ۱۹۵۸ء تک مالیر کوٹلہ ہی میں مقیم رہا۔ اس کے بعد حالات نے ترکِ وطن پر مجبور کیا اور میں پاکستان چلا گیا اور ذوق سخن اور شعروشاعری کو مالیر کوٹلہ ہی میں چھوڑ آیا۔ اب چھ سال سے خاموش ہوں۔

۱

وہ حسن اگرچہ پسِ پردہٗ نقاب نہ تھا
بقدرِ ذوق مگر شوق کامیاب نہ تھا

مری نظر ہی حریفِ جمال ہو نہ سکی
انہیں تو میری نظر سے کوئی حجاب نہ تھا

حریمِ ناز میں یوں گم ہوئی مری ہستی
کہ باریاب بھی تھا میں تو باریاب نہ تھا

تمہارے حسن کو میں آفتاب کیوں کہتا
وہ آفتاب سے بڑھکر تھا آفتاب نہ تھا

فروغِ حسنِ مہ و مہر لاجواب سہی
تمہارے حسن کا وہ بھی مگر جواب نہ تھا

سکھائے دہر کو آدابِ زندگی کے رموز
خرابِ عشق حقیقت یہ ہے خراب نہ تھا

بشیر عہدِ جوانی کو کھو کے میں سمجھا
جنوں کا دور تھا وہ عالمِ شباب نہ تھا

۳

کچھ التفات تمہارے تلاش کرتا ہوں
دلِ حزیں کے سہارے تلاش کرتا ہوں
جو میری رُوح کو دے جائیں وجد کا پیغام
وہ دِل نواز اِشارے تلاش کرتا ہوں
بنا دیں خاک درِ یار جو جلا کے مجھے
وہ سوزِ دل کے شرارے تلاش کرتا ہوں
جو بے دریغ لٹائے ہیں عمر بھر میں نے
وہ سجدے در پہ تمہارے تلاش کرتا ہوں
تمہارے حسن سے تشبیہ دے سکوں جن کو
میں ایسے چاند ستارے تلاش کرتا ہوں
وہ ظُلم تم جنہیں ایجاد کرتے رہتے ہو
میں ایک دو نہیں سارے تلاش کرتا ہوں
بشیر دردِ نہاں کو جو میرے پہچانیں
میں ایسے درد کے مارے تلاش کرتا ہوں

۳

مضطرِ دلِ ناکام ہے معلوم نہیں کیوں
وقفِ غم و آلام ہے معلوم نہیں کیوں

جس دل کو محبت سے سروکار رہا ہو
دُنیا میں وہ بدنام ہے معلوم نہیں کیوں

ڈرتا ہوں زباں تک جسے لاتے ہوئے دل سے
دِل کا وہی پیغام ہے معلوم نہیں کیوں

پرواز تھی جس دِل کی کبھی عرشِ بریں تک
اب مُرغ تہِ دام ہے معلوم نہیں کیوں

تھی دِل میں مسرت کی جو تصویرِ خیالی
محوِ غمِ ایام ہے معلوم نہیں کیوں

تم وعدہ تو کرتے ہو مگر طرزِ ادا میں
تھوڑا سا اک ابہام ہے معلوم نہیں کیوں

مشہور زمانے میں بشیرِ جگر افگار
اک رندِ مے آشام ہے معلوم نہیں کیوں

کرپال سنگھ بیدار

کرپال سنگھ نام۔ بیدار تخلص۔ والد کا نام سردار خوشحال سنگھ۔

سنِ ولادت ۱۹۱۶ء۔ آبائی گاؤں کھنگرانوالہ تحصیل ننکانہ صاحب

مغربی پاکستان، تعلیم ایم۔ اے تک ہے۔

۱۹۴۷ء سے پیشتر سکھ نیشنل کالج لاہور میں پروفیسر تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد ترکِ وطن پر مجبور ہوکر مشرقی پنجاب میں چلا آیا اور کچھ

عرصہ تک سابق ریاست پیپسو کا ڈپٹی کسٹوڈین رہا۔ پھر بیمار ہوکر

کوئی پانچ برس تک چارپائی کے سپرد رہا۔ آج کل ضلع پریشد

پٹیالہ کا سیکرٹری ہوں۔

میری زندگی ایک ناکام زندگی ہے ۱۹۴۷ء کے بعد

میرے حصّے میں تبسّم بہت کم لیکن اشک افشانی کی فراوانی

رہی ہے۔ ناکام زندگی کا ماتم کرنے کے لئے زندہ ہوں۔

اور خدا جانے آئندہ کب تک زندہ رہوں گا۔

بے چارگی

میں نے اِک ماہِ خراماں سے تجلّی لے کر
دل کے ہر داغ کو خورشید بنانا چاہا
اِک چمکتے ہوئے ماتھے کی درخشانی سے
اپنی قسمت کی سیاہی کو ہٹانا چاہا
اِک بکھرتے ہوئے رُخسار کی رنگینی سے
اپنے افکار میں گُلزار کِھلانا چاہا
اک گلابی سے تبسّم کی شفق تابی سے
زندگانی پہ نیا رنگ چڑھانا چاہا
دیکھ کر اِک نگہِ ناز کا پیارا انداز
دِل کی خوابیدہ اُمنگوں کو جگانا چاہا
ہجر کی آگ جو بھڑکی تو غزل خواں ہوکر
سوز کو ساز کے پردے میں چھپانا چاہا
غمِ دُنیا غمِ عقبےٰ غمِ ہستی غمِ مرگ
سب کو طوفانِ محبّت میں بہانا چاہا

لیکن افسوس! کہ ہے گردشِ ایام وہی
دن وہی، رات وہی، صبح وہی شام وہی
دلِ شوریدہ نے کوشش تو بہت کی لیکن
کسی عنوان مقدر کی بُرائی نہ گئی
پیار کرنے سے بھی کچھ حل نہ ہوئی مشکلِ زیست
دل لگا کر بھی کوئی بات بنائی نہ گئی
ذکرِ خوباں سے نہ چمکی کبھی افلاس کی رات
بجھ گئی شمع تو باتوں سے جلائی نہ گئی
عشق کے گیت کڑی بھوک میں کام آ نہ سکے
پیٹ کی آگ ترانوں سے بجھائی نہ گئی
مفلسی میں کبھی تقدیر سنورتی ہی نہیں
گرد جس شے پہ جمی ہو وہ نکھرتی ہی نہیں
عشق ہر چند بڑا معجزہ پرور ہے، مگر
اس مسیحا سے بھی کچھ درد کا چارا نہ ہوا
لاکھ آزادِ علائق رہے اُلفت والے
پھر بھی افکارِ معیشت سے کنارا نہ ہوا

دِل کو جب عشق میں روزی کا خیال آتا ہے
غمِ جاناں غمِ دوراں سے بدل جاتا ہے

۲

جھلک نقاب سے قصداً دکھائی جاتی ہے
یہ برق خود نہیں گرتی، گرائی جاتی ہے
کثیف ہو تو پلاتا ہے جام سے ساقی
لطیف ہو تو نظر سے پلائی جاتی ہے
وہی تو بات ہے اُن کے حضور کہنے کی
جو گفتگو میں ہمیشہ چھپائی جاتی ہے
نگاہِ ناز کی زد پر تو آئیے اے دِل
مگر یہ چوٹ سلیقے سے کھائی جاتی ہے
کوئی جواب بھی ہے اِس ستم ظریفی کا
کہ دِل اُڑا کے ہنسی بھی اُڑائی جاتی ہے
حدیثِ عشق زباں پر نہ لائیے بیدار
یہ دِل کی بات ہے، دِل سے سُنائی جاتی ہے

تشنہ ادیب

نام انوار احمد۔ ولادت ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ ابھی بمشکل آٹھ سال تک پہنچا تھا کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ میں ریاست عالیہ کا جاگیردار اور نواب ہز ہائی نیس احمد علی خاں مرحوم والئی ریاست مالیر کوٹلہ کا بھانجا ہوں میرے والد مرحوم ہز ایکسیلینسی وائسرائے آف انڈیا کے آنریری اے۔ڈی سی (A.D.C) اور کمانڈر انچیف ریاست مالیر کوٹلہ تھے۔

ابتدا ہی سے دل و دماغ پر شعر و سخن کا بھوت سوار تھا۔ والدِ ماجد بھی کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ لہٰذا جدّی جراثیم نمودار ہوئے۔ ابتدا میں غزل ہی کو اپنی محبوب صنف بنایا اور ایک قابل غزل گو شاعر کمال الدّین کمال مالیر کوٹلوی کے حلقۂ تلمّذ میں شامل ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ طبیعت کو تخیّل کے کسی محدود دائرے میں رہنا گوارہ نہ ہوا کچھ ترقی پسند جریدوں کے مسلسل مطالعہ سے رجحان نظم کی طرف ہوا۔ معرّا اور پابند دونوں نظمیں کہتا ہوں۔ قطعات بھی کہتا ہوں۔ فرقت۔ حسرت و ناکامی۔ حزن و یاس اور رنج و الم کے مضامین کو میری طبیعت میں دخل ہے اور یہی میری نظم کے اجزا ہیں۔

۱

کبھی طرزِ رہزنی ہے کبھی رسمِ رہبری ہے
تری ہر ادا کے اندر یہ عجیب دل لگی ہے

ہے ترے شعروں نے بخشی مرے گیت کو بغاوت
مرا ساز ہے مکمّل ترے سوز میں کمی ہے

ترے ظلم کی لکیریں مرے ہاتھ میں کھُدی ہیں
ابھی اور کر جفائیں ابھی ظلم میں کمی ہے

ترے حُسن کی تپش سے مری آنکھ جل نہ جائے
کہ مثالِ برق تیری ہر ادا چمک رہی ہے

مرے گاؤں میں محبّت مرے گاؤں میں وفائیں
ترے شہر میں جفا کی مگر آگ جل رہی ہے

جسے دیکھ کر جہنّم بھی نہ تاب لا سکے گا
وہ ہی آگ میرے دِل میں کئی سال سے جلی ہے

شب و روز مضطرب ہوں ہمہ وقت تشنہ لب ہوں
ترے ہجر میں سِتم گر، کوئی میری زندگی ہے

۲

کہیں یہ صُبحِ قیامت نہ ہو زمانے کو
میں لکھ رہا ہُوں شبِ ہجر کے فسانے کو

بہار جا کے نہ آئے نہ جائے آ کے خزاں
پسند آتی ہے کیسی فضا زمانے کو

گلُوں کی آگ کہ چنگاریاں یہ کلیوں کی
جلائے جاتی ہیں سب دِل کے آشیانے کو

بس اے نگارِ چمن بس بہار دیکھ چکے
ہم اب قفس کو بسائیں نہ آشیانے کو

جو بے نیاز ہو دَیر و حرم کے سجدوں سے
جبیں وہ چاہیئے رحمت کے آستانے کو

نیا نیا ہے گلستاں نئی نئی ہے بہار
سمجھ کے تشنہ بسانا تم آشیانے کو

۳۴

سرِ راہ بے پردہ آؤ تو جانیں
کبھی حوصلہ آزماؤ تو جانیں

اگر دستِ رنگیں میں خود جام لیکر
تکلّف کا پردہ اُٹھاؤ تو جانیں

ترستے نہ رہ جائیں جذبات غم کے
اِس انداز سے دِل دکھاؤ تو جانیں

غمِ زندگی سے نگاہیں ملا کر
اگر پھر یونہیں مسکراؤ تو جانیں

تمہاری ادا روٹھنا ہے یہ مانا
اگر روٹھ کر مان جاؤ تو جانیں

مسرّت میں ساتھی ہوئے دوستو تم
مصیبت میں بھی کام آؤ تو جانیں

کسی کو محبت کی رُوداد تشنہ
کبھی اپنے مُنہ سے سناؤ تو جانیں

انچ تصوّر

ولادت - ۱۵ ر اپریل ۱۹۳۸ء -

مقام - شری پنجہ صاحب (حسن ابدال) پنجاب۔ پاکستان۔

شعروں کے معاملے میں اپنے محترم دوست جناب کرشن کمار طور کی رائے کا احترام لازمی طور پر کرتا ہوں -

آجکل پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ میں ایم۔ اے کر رہا ہوں شعری مجموعہ "خوشبو کا سفر" زیر طبع ہے -

۱

رُوٹھ نہ جائے یادِ کسی کی
دُنیا ہے آبادِ کسی کی
سیپ کے سینے میں اِک موتی
اپنے دِل میں یاد کسی کی

روزنِ غم سے جھانک رہی ہے
سہمی سہمی یادِ کسی کی
ایک طرف ہیں ساری یادیں
ایک طرف ہے یادِ کسی کی

زینتِ محفل ذِکرِ کسی کا
رونقِ خلوت یادِ کسی کی
دیکھ اکیلا تڑپاتی ہے
تنہائی میں یادِ کسی کی

بھول گیا ہوں خود کو تصوّر
یاد رہے گی یادِ کسی کی

۲

راہ پاتے ہی بادہ خانے کی
تشنگی بجھ گئی زمانے کی

اشک بن بن کے آنکھ سے نکلی
جو تمنّا تھی مُسکرانے کی

ان کی آنکھوں میں رقص فرما ہے
کیف و مستی شراب خانے کی

آپ نے مُسکرا کے کیا دیکھا
ہو گئی اِبتدا فسانے کی

مُسکرایا ہوں سوچ کر اکثر
آرزُو اور مُسکرانے کی

آپ کا ذکر یوں ہی آیا تھا
بات کرتے تھے ہم زمانے کی

ایسے تصوّر وہ مجھ کو یاد آئے
جب بھی بدلی نظر زمانے کی

۳

ان سے اب کیا شکوہ کرنا، جو ہونا تھا ہو ہی گیا
پیار کے تپتے صحراؤں میں، کس نے کس کا ساتھ دیا
میرے گیتوں کے مندر میں، دُنیا اس کو پوجے گی
جس کی چاہت نے مجھ کو، نگر نگر بدنام کیا
میرے شاپ سے اِک دن ان پہ آگ کا ساون برسے گا
جن منحوس رواجوں نے ہے، مجھ کو تم سے دُور کیا
اب بھی اسی کے سپنے دیکھوں، اور کروں میں نسدن یاد
جس نے آنکھ کو آنسو بخشے، جس نے دِل کو درد دیا
کتنے پھول سے چہرے آئے، جیون کے اس گُلشن میں
میرے ہر ہر سانس نے لیکن، ایک تجھے ہی یاد کیا
جس کا پیار تھا جیون داتا، جس کی یاد تھی دل کا چین
اس ناری کو بھول کے میں نے، اپنے ہاتھوں زہر پیا
آنسو بھی تھے ساون بھی تھا، اُمیدوں کی ٹھنڈک بھی
برہا اگن نے پھر بھی تصوّر، سارا تن من پھونک دیا

ہرنس سنگھ تیج

مَیں ۱۹۲۰ء میں ضلع ہوشیارپور میں پیدا ہوا۔ بی۔ایس۔سی میرٹھ کالج سے پاس کی اور ٹیکنیکل تعلیم بنگلور میں حاصل کی۔ ۱۹۴۳ء میں امریکن ایروڈروم میں اور پھر نیشنل ایرلائنز دہلی میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۵ء میں پی۔ڈبلیو۔ڈی پنجاب میں ایس۔ڈی۔او کے عہدے پر میرا تعین ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں ایگزیکٹو انجنیئر اور ۱۹۶۲ء میں سپرنٹنڈنگ انجنیئر ہوا۔ چنانچہ آج کل پٹیالہ میں اسی عہدے پر مامور ہوں۔

شاعری کا شوق مڈل کلاس سے ہے۔ پہلے پنجابی میں لکھنا شروع کیا۔ خالصہ کالج امرتسر کے میگزین میں پنجابی کلام شائع ہوتا رہا۔ مگر سٹیج پہ کبھی نہیں آیا۔ اُردو شاعری میرٹھ میں قیام کے دوران میں شروع کی۔ اردو بطور زبان سکول یا کالج میں نہیں پڑھی تھی۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۹ء تک شملہ میں رہنا پڑا۔ وہاں طالب شملوی صاحب کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ وہاں اکثر اُردو مشاعرے ہوتے تھے پہلی بار ۱۹۵۶ء میں سٹیج پر آیا اور اس کے بعد مشاعروں میں باقاعدہ شامل ہوتا رہا۔ شملہ آرٹ اینڈ کلچر سوسائٹی کا صدر رہا۔ ۱۹۵۹ء میں میرا تبادلہ پٹیالہ میں ہو گیا۔ جہاں ۱۹۶۰ء میں آرٹ اینڈ کلچر سوسائٹی قائم کی۔

۱

شدتِ غم فغاں تک آ پہنچی
عِشق کے اِمتحاں تک آ پہنچی

ہم شکایت کے تو نہیں عادی
تیری غفلت بیاں تک آ پہنچی

تیر بیٹھا ہے کیا نشانے پر
بات دِل کی زُباں تک آ پہنچی

نام تیرے سے چھیڑتے ہیں مجھے
بات دیکھو کہاں تک آ پہنچی

زندگانی تلاشِ راحت میں
موت کے آستاں تک آ پہنچی

باغباں خیرِ گلستاں کیسی
برق جب آشیاں تک آ پہنچی

کیا ضرورت ہے دُشمنوں کی تیج
دوستی ہی یہاں تک آ پہنچی

۲

کچھ دِل میں تو تھا حسرتِ ناکام سے پہلے
گردش ہی رہی گردشِ ایّام سے پہلے
ڈر ہے مجھے ہر دم تری رُسوائی کا ظالم
آئے گا ترا نام مرے نام سے پہلے
مے خانے کے آداب سے مجبور رہا ہوں
شہ ان کی نظر دیتی تھی ہر جام سے پہلے
ہر چیز جو گردش میں ہے مرکز بھی ہے اس کا
لازم ہیں غم و رنج بھی آرام سے پہلے
دعوے تو نہیں زہد کا لیکن ہے یہ عادت
لیتا ہوں ترا نام میں ہر جام سے پہلے
اس در سے تو مل جاتا ہے جو مانگئے لیکن،
انعام کا حقدار ہوں انعام سے پہلے
یتیج ان کو گلہ، میری بدولت ہیں وہ بدنام
ہم کاش کہ مِٹ جاتے اِس الزام سے پہلے

۳

اِن گیسوؤں کے سائے ہیں گزرے کدھر سے ہم
کچھ بے خبر سے آپ ہیں کچھ بے خبر سے ہم

لے آیا شوقِ دید ہمیں کس مقام پر
محروم ہیں یہاں تو خود اپنی خبر سے ہم

ضِد شوق کو ہے پردہ اُٹھے ان کے چہرے سے
ڈرتے ہیں ناتوانی تابِ نظر سے ہم

ہم کو نہ دل پہ، دل کو نہ کچھ ہم پہ اختیار
بیگانہ ہم سے گھر ہے تو بیگانے گھر سے ہم

پہنچے جہاں نہ اُڑ کے تری خاکِ نقشِ پا
اتنے پڑے ہیں دُور تری رہگذر سے ہم

گمنام منزلوں نے پکارا ہے گام گام
گزرے ہیں بےخودی میں خُدایا جدھر سے ہم

محفل کا رنگ چھین کے یہ کہہ کے اُٹھ گئے
ڈرتے ہیں تیغ تشنہ لب آشفتہ سر سے ہم

جگر جالندھری

نام دھرم پال مرواہا۔ جگر تخلص۔ والدِ محترم لالہ دلبیراج مرواہا۔
تاریخ ولادت ۸ اجنوری ۱۹۳۵ء۔ جائے ولادت بمقام سانگدیو
تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر ۱۹۴۷ء میں تقسیمِ وطن پر گاؤں کو خیرباد کہہ کر جالندھر
میں سکونت اختیار کر لی۔ دسویں جماعت تک سائینداس اینگلو سنسکرت
ہائی سکول میں تعلیم پائی اور میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں اچھے نمبر
لیکر پاس کیا۔ میٹرک کے بعد ڈی۔ اے۔ وی کالج جالندھر میں داخل ہوا۔
پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ادیب فاضل کا
امتحان ۳۴۷ نمبر حاصل کر کے پاس کیا۔
شعر و سخن کا شوق بچپن سے ہے۔ جناب رگھبیرداس ساحر سیالکوٹی
جناب ہما ہرنالوی اور جناب سورج کنول سرور کی صحبتوں نے تازیانے
کا کام کیا اور ذوقِ شعر گوئی کا رخش تیز گام ہوگیا۔ غزل بھی کہتا ہوں اور
قطعہ اور رباعی بھی۔ شعر و سخن میں ابوالفصاحت جناب جوش ملسیانی
اور جناب رگھبیرداس ساحر سیالکوٹی سے تلمذ حاصل ہے۔ اور اس بات
پر فخر کرتا ہوں۔

۱

ظلم ہوتے ہیں ہمیں پہ بے حساب
داد کے قابل ہے ان کا انتخاب

ڈالتے ہو کس لئے رُخ پر نقاب
چھپ بھی سکتا ہے کہیں یہ آفتاب

عشق کیا ہے قطرۂ شبنم فقط
حُسن کیا ہے اِک چمکتا آفتاب

شوق کامل دِل میں ہونا چاہئیے
خود بخود اُٹھ جائیں گے سارے حجاب

کج ادائی، کج کلاہی، کج روی
کام سب اُلٹے سکھاتا ہے شباب

کیوں نہ ہوں مخمور اس سے اہلِ بزم
میرا اک اک شعر ہے جامِ شراب

دِل کشی ہر شعر میں ہے اے جگر
یہ غزل تم نے کہی کیا۔ لاجواب

۲

سینے میں سوزِ عشق ہے لب پر فغاں نہیں
یا رب! یہ کیسی آگ ہے جس کا دھواں نہیں
دل ہو کہ سینہ درد کی شدّت کہاں نہیں
یہ اور بات ہے مرے لب پر فغاں نہیں
جب کچھ کہوں تو ہوتا ہے ارشاد "چُپ رہو"
رہتا ہوں چُپ تو کہتے ہیں "منہ میں زباں نہیں"
جھکتا ہے ہر کسی کا ترے آستاں پہ سر
جیسے جہاں میں اور کوئی آستاں نہیں
کیوں آپ کے ستم کی شکایت کروں نہ میں
سینے میں دل نہیں ہے کہ منہ میں زباں نہیں
دَیر و حرم میں کیوں میں تجھے ڈھونڈتا پھروں
دنیائے ہست میں ترا جلوہ کہاں نہیں
نازاں جگرؔ ہوں اپنے دلِ داغدار پر
اس باغ کی بہار کو خوفِ خزاں نہیں

۴

تری یاد ہی سے کچھ آجکل مجھے صبح و شام قرار ہے
مرے گلستانِ حیات میں تری یاد ہی سے بہار ہے

مرا دِل بھی تو، مری جان تو، مری آن تو، مری شان تو
ترے دم سے ہے مری زندگی ترے دم سے دِل کو قرار ہے

تو ہنسے تو لالہ و گل کھلیں، تو چلے تو سرو بلائیں لیں
تو ہر اک چمن کی ہے تازگی، تو ہر اک چمن کی بہار ہے

کوئی اور تجھ سا حسیں نہیں، کوئی ہو تو مجھ کو یقیں نہیں
یہ تمام حُسنِ گل و سُمن، ترے آگے مشتِ غبار ہے

جو نشہ ہے تیری نگاہ میں، وہ نشہ نہیں ہے شراب میں
ہے ترے لبوں میں وہ تازگی، گُلِ تر بھی جس پہ نثار ہے

مری آنکھ کو تری جستجو، مرے دل کو ہے تری آرزو
مری آنکھ کا بھی تو نور ہے، مرے دل کا بھی تو قرار ہے

ترے حُسن میں ہے وہ تازگی، جو بہار میں بھی نہ مل سکی
کہیں پھول پر بھی نہیں ملا، ترے چہرے پر جو نکھار ہے

آر۔ ڈی۔ جین

میری ولادت ۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو انبالہ شہر میں ہوئی۔ والد با جد
ایک تجربہ کار ٹیچر تھے ۱۹۳۴ء میں مَیں پنجاب یونیورسٹی کا امتحان پاس کرکے دنیا کے
چکر میں پھنس گیا جب میری عمر ۱۵ سال کی تھی۔ میرے لیئے اس کے سوا
اور کوئی چارہ نہ تھا کہ میں کوئی ہنر سیکھوں۔

ہُنر اوزار ہے افلاس کو ناکام کرنے کا
حوادث سے کبھی بال اس کا بیکا ہو نہیں سکتا

چار سال دستکاری کا کورس کرنے کے بعد قدر دانانِ ہنر کی بدولت
موجودہ مقام تک آگیا ہوں۔ ۱۹۴۱ء سے گورنمنٹ سروس میں ہوں۔
۱۹۵۴ء کا سال میری عمر میں سنہری لفظوں سے لکھنے کے قابل ہے۔
اس سال مجھے امریکہ جانے کا موقعہ ملا۔ ایک سال وہاں رہ کر صنعتوں کی
ٹریننگ اور ماڈرن ٹیکنیک حاصل کی۔ آجکل ملک کی مفید ترین درسگاہ
انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ پٹیالہ کا پرنسپل ہوں شعر سننے کا شوق دیرینہ ہے۔
ساحر صاحب سنامی کی ادبی صحبتوں سے شعر کہنے کا شوق پیدا ہؤا۔ مگر
اب بھی سننے کا شوق زیادہ ہے اور کہنے کا کم۔

صنعت و حرفت کی دُنیا خالقِ تقدیر ہے
خواب تھا ماضی تو حال اس خواب کی تعبیر ہے
زیرِ گردوں کارخانوں کے دُھوئیں کا آسماں
اِک دلیلِ دافعِ تاریکیٔ تقدیر ہے
اِس فسوں آباد کا تکیہ نہیں تقدیر پر
اِس جہاں میں ہر جگہ تدبیر ہی تدبیر ہے
ہیں مطیع سعیٔ پیہم آب و آتش خاک و باد
شوقِ محنت بے نیازِ گردشِ تقدیر ہے
قیمتی سونے سے لوہا۔ آگ پانی سے عزیز
موتی ہر قطرہ پسینے کا ہے خاک اکسیر ہے
فائدہ ہی فائدہ ہے اس میں نقصاں کچھ نہیں
خواہ کیسا بھی ہنر ہو لایقِ توقیر ہے
تجھ کو حاصل ہو جو اِس فنِ مبارک میں کمال
یہ سمجھ لے تیرے ہاتھوں میں تری تقدیر ہے
غور سے اے محنتی انساں اس آئینے کو دیکھ
حال و مستقبل کی اس میں خُوشنما تصویر ہے

تجھ کو عالم گیر بننا ہے تو اس عالم میں آ
اِس نئے عالم کا ہر انسان عالمگیر ہے

ترقی کر رہی ہے آج صنعت ہند میں ہر سُو
ہُنرمندی نے اِس سارے گلستاں کو سجایا ہے

سنو۔ اے غم گسارانِ وطن مژدہ سناتا ہُوں
ہنرمندی کے صحرا میں تمہیں گلشن دکھاتا ہُوں

ہُنرمندی سے شرمندہ ہیں افلاس اور بے کاری
حوادث سے کبھی بال اس کا بِیکا ہو نہیں سکتا

حشر تک لاکھ اسے صدائیں دیں
وقت گزُرا ہوُا نہیں آتا
سوچ کر توڑنا اِسے ساقی!
نہ جُڑے گا شکستہ پیمانا

مجھ سے گُل پُوچھتے ہیں باغ میں گُلشن کیا ہے
دیدِ گُل زار کا برسوں سے مجھے سودا ہے
تذکرہ اس کا بہت میں نے سُنا کانوں سے
شوق کہتا ہے کہ میں خود اسے دیکھوں کیا ہے

لاکھ مجبور ہو اِنسان ہے پھر بھی مختار
حُسنِ تدبیر سے تقدیر بنا سکتا ہے

موت کا غم نہیں مجھے اصلا کوئی غم ہے تو بس یہی غم ہے
دوستوں سے بچھڑ رہا ہوں میں پیشِ پا اجنبی سا عالم ہے

جس پر تمام اہلِ گُلستاں کو ناز ہے
ایسا بھی ایک پھُول ہمارے چمن میں ہے
نغمہ سرا ہے کون یہ سازِ حیات پر
اِک زندگی کی نہر رواں رُوح و تن میں ہے

پریم ناتھ حسرت

میرا جنم ۲۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو پٹیالہ کے متوسط برہمن خاندان میں ہُوا میرے والد محترم پنڈت رامیشور داس جی کو علوم و فنون کا شوق ہے مقامی سکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کر کے مہندرا کالج میں داخلہ لیا ہی تھا کہ میری والدہ محترمہ انتقال فرما گئیں۔ ایسی بے وقت موت نے میری تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اس دن سے آج تک کا فاصلہ حالانکہ کئی سالوں کا ہے مگر میں ہی کچھ جانتا ہوں کہ گردشوں اور تاریکیوں سے اُلجھتا ہُوا کس طرح زندگی کو سنبھالا دیئے جا رہا ہوں۔ زندگی میں خوشی بھی کوئی چیز ہے مجھے اس سے قطعاً کوئی واقفیت نہیں۔ شِو جی کی اولاد ہونے کے ناطے میرے حصّے میں صرف تلخیاں آئی ہیں جنہیں میں اپنا حق سمجھتے ہوئے زندگی میں تحلیل کئے جا رہا ہوں۔ نہ کوئی ہمدم ہے نہ کوئی رازداں۔ میری کشتیٔ حیات طوفانوں سے کھیلنے کی عادی بنی رہی ہے۔ مگر جانتا ہوں کہ وہ وقت بھی آئیگا جب یہ کشتی موت کے ساحل سے ٹکرا کر اپنی منزل پالیگی۔ ہندو فلسفہ پر مکمل اعتماد رکھتا ہوں۔ اُردو شاعری سے والہانہ عشق ہے۔ کبھی کبھی کوئی شعر ہو جاتا ہے تو یقینی طور پر میرے دِل کا ترجمان ہوتا ہے۔

۱

بہت سے رنج اُٹھائے ہیں زندگی کے لئے
ہزار بار میں رویا ہوں اِک ہنسی کے لئے
غم و ملال سے ممکن نہیں نجات کبھی
غم و ملال مقدّر ہیں زندگی کے لئے
یہ بات کیا ہے کہ تاریک ہے مری محفل
چراغ لاکھ جلائے ہیں روشنی کے لئے
غمِ حیات کو ہنس کر لگا لیا ہے گلے
خوشی سے دُور رہے ہم تری خوشی کے لئے
گُلوں کا حُسن ہی دشمن ہے ان کی ہستی کا
بہار موت بنی ہے کلی کلی کے لئے
شبِ فراق کی تاریکیاں نہ پُوچھ اے دل
ترس رہا ہوں ستاروں کی روشنی کے لئے
بجا خیال کی رنگینیاں، مگر حسرت
زباں کا حُسن بھی لازم ہے شاعری کے لئے

۲

جو صرفِ غمِ جاوداں ہو گئے ہیں
وہی عشق میں کامراں ہو گئے ہیں
زباں پر تو حرفِ تمنّا نہ آیا
نظر سے فسانے بیاں ہو گئے ہیں
جو احباب آئے تھے ہمدرد بن کر
وہ خود محوِ آہ و فغاں ہو گئے ہیں
شبِ ہجر کے بے مروّت اندھیرے
مرے عشق کے رازداں ہو گئے ہیں
جو بے اختیار اشک آنکھوں سے نکلے
مرے شوق کی داستاں ہو گئے ہیں
نہ راس آیا قربِ مسلسل بھی حسرت
بہت فاصلے درمیاں ہو گئے ہیں

۳

خدا کے واسطے ظالم نہ اب پکار مجھے
رہا نہیں ترے وعدوں پہ اعتبار مجھے
غمِ حیات سے پھر ہو چلا ہے پیار مجھے
نوائے سازِ مسرّت نہ اب پکار مجھے

عطا ہو اسے ملک الموت صبح تک مہلت
کہ آج رات کسی کا ہے انتظار مجھے

ابھی تو کاکلِ دوراں بہت پریشاں ہیں
ابھی تو غم سے الجھنا ہے بار بار مجھے

کہاں کہاں نہ پکارا کہاں کہاں نہ گیا
ترے بغیر نہ آیا کہیں قرار مجھے

نہ ہوں میں کیوں ترے اس فیضِ خاص کے قربان
خوشی کے ساتھ دئے غم بھی بیشمار مجھے

نگاہِ حسن بھی جھک کر سلام کرتی ہے
خلوصِ عشق نے بخشا ہے وہ وقار مجھے

راز

نام منگیش کمار تخلص راز۔ تاریخ ولادت ۷ مئی ۱۹۳۹ء
جائے ولادت روڑاں والی تحصیل ہنومان گڑھ ضلع گنگانگر
(راجستھان)۔ ابھی نو ماہ کا ہی تھا کہ ماما جی اپنے پاس پٹیالہ
لے آئے۔ اور ان کی سرپرستی ہی میں پرورش پائی۔ زندگی کے
کچھ سال ہی گذرے تھے کہ ماما جی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ سناتن
دھرم ہائی سکول پٹیالہ میں تعلیم پائی اور میٹرک کا اِمتحان پنجاب
یونیورسٹی سے پاس کیا۔ حصولِ تعلیم میں جن مہربانوں نے مالی طور پر
میری مدد کی۔ ان میں جناب چرن داس ناگپال آف منڈی ڈبوالی
اور جناب تیج بیر سنگھ ماٹا مالک گورو نانک انجنیئرنگ ورکس پٹیالہ
کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اور ان مہربانوں کے احسانات کو میں فراموش
نہیں کر سکتا۔ سکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر تار فیکٹری پٹیالہ میں ملازمت
اختیار کی۔ آجکل پنجاب سٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ میں ملازم ہوں۔ شعر و شاعری
کا شوق گذشتہ دس برس سے ہے۔ ادبی کتب کے مطالعہ کا شوق بھی
بے پایاں ہے۔ شعر و سخن پر اصلاح جناب ابر احسنی گنوری سے لے رہا ہوں۔

۱

جب بھی وہ بے نقاب آتا ہے
دردِ دِل پر شباب آتا ہے
یاد آتے ہیں جب خوشی کے دِن
میرے غم پر شباب آتا ہے
لِکھ تو دیتا ہوں روز خط اُن کو
کب کِسی کا جواب آتا ہے
کر لیں نیچی نِگاہ دِل والے
وہ حسیں بے نقاب آتا ہے
اُلجھی جاتی ہے بخت کی گتھی
زُلف میں پیچ و تاب آتا ہے
عِشق ہوتا ہے جب بھی آزردہ
دہر میں اِنقلاب آتا ہے
کیوں نِگاہیں مری نہ جھک جائیں
راز ان کو حجاب آتا ہے

۲

مجھے وہ دیکھ کر شرما گیا ہے
محبّت کا زمانہ آ گیا ہے
تمہیں ہو بھی تو کیوں قدرِ محبت
مِٹے ہیں ہم تمہارا کیا گیا ہے
لگا دی ہے وفا کی جس نے بازی
وہی اپنی مُرادیں پا گیا ہے
بتاؤ اب کروں بھی کیا شکایت
جفائیں کر کے وہ شرما گیا ہے
بجا ہوتی ہے قاتل شامِ فرقت
مگر دن بھی قیامت ڈھا گیا ہے
کیا ہے سامنا جس نے الم کا
الم خود راہ سے کترا گیا ہے
چھپاؤ اپنے آنسو ہجر میں راز
اب ان میں خون کا رنگ آ گیا ہے

۳

ہمیں مطلب تو ہے اے دوست تجھے پانے سے
نہ غرض کعبہ سے ہے کچھ نہ ہے بت خانے سے
ہم پھرا کرتے ہیں جن کے لیے دیوانے سے
وہ بھی آتے ہیں نظر اب ہمیں بیگانے سے
لطف کیا ملتا ہے جل کر تجھے مر جانے سے
کوئی پوچھے تو یہ جلتے ہوئے پروانے سے
مری مٹی ہے یہیں کی یہیں مر جاؤں گا
کوئی لائے نہ اٹھا کر مجھے میخانے سے
جوشِ مے موسمِ گل میں تو ذرا دیکھئے رازؔ
خود بہ خود چھلکی چلی جاتی ہے پیمانے سے

وہ انداز تھے حسن کے کافرانہ | بھٹک ہی گیا رازؔ سارا زمانہ
خزاں سے مجھے کچھ شکایت نہیں ہے | بہاروں نے پھونکا مرا آشیانہ
ہمارے غمِ عشق پہ مسکرا کر | ہمیں دے گئے وہ خوشی کا خزانہ

رشی پٹیالوی

بسی کلاں ضلع ہوشیار پور میں ۳۰ جنوری ۱۹۱۷ء کو میں نے زندگی کی اولین سحر دیکھی۔ میرے والد پنڈت رام چند مصرا مشہور پنڈت تھے۔ شعر و سخن سے دلچسپی زمانہ طالب علمی ہی سے پیدا ہو گئی تھی تعلیم سے فارغ ہو کر بسلسلہ ملازمت ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۶ء تک پٹیالہ میں مقیم رہا ہوں۔ وہیں باقاعدہ مشقِ سخن کی ابتدا ہوئی۔ وہاں نوبہار صابر کی رفاقت میں مقامی مشاعروں میں شرکت کا موقعہ ملا۔ اور شاعری پروان چڑھی۔ اس لئے احباب رشی پٹیالوی کے نام سے جانتے ہیں۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۴ء تک پٹیالہ لٹریری لیگ کا جنرل سیکرٹری رہا۔ ابتدائی کلام پہ کچھ عرصہ جناب قیس جالندھری سے مشورہ سخن لیا۔ ۱۹۳۸ء سے رشتۂ تلمذ باقاعدہ طور پہ جناب نسیم صاحب نور محلی سے ہے۔ اکمل صاحب جالندھری میرے حقیقی ماموں ہیں۔ کافی حد تک ان سے بھی مشورۂ سخن کا موقعہ ملا۔ ڈاکٹر گوپی چند بھارگو سابق وزیر اعلےٰ پنجاب کے پرسنل سیکرٹری کی حیثیت سے کام کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ ۱۹۵۳ء سے ملک کی ایک ممتاز کمپنی ایسکورٹس لمیٹڈ سے وابستہ ہوں۔ اور آجکل کمپنی کے چنڈی گڑھ آفس کا مینجر ہوں۔ بزم ادب چنڈی گڑھ کا جنرل سیکرٹری ہوں۔

۱

محبّت کا کھُلے گا راز یوں محسوس ہوتا ہے
سُنی ہے دُور کی آواز یوں محسوس ہوتا ہے
کہیں کا بھی نہ رکھّے گا کہیں کا بھی نہ چھوڑے گا
مرا عِشق جنوں انداز یوں محسوس ہوتا ہے
جہاں تک کارفرما وسعتیں ہیں ان کے جلووں کی
وہاں تک ہے مری پرواز یوں محسوس ہوتا ہے
ترانہ چھیڑ دے جیسے کوئی ساز محبت پر
تری آواز کا انداز یوں محسوس ہوتا ہے
تمہارے لب نہ کھُلنے پر یہ عالم ہے تکلّم کا
خموشی میں بھی ہے آواز یوں محسوس ہوتا ہے
ہم آہنگِ سکوں جب سے ہوا ہے سازِ دل اپنا
صدا محرُوم ہے ہر ساز یوں محسوس ہوتا ہے
یقیناً رنگ لائے گی رِشیؔ سعیٔ خود آگاہی
عیاں ہو جائیں گے سب راز یوں محسوس ہوتا ہے

۲

ہمیں ہیں وہ جو ازل سے ہیں تیرے دیوانے
ہزار تیری نظر اب ہمیں نہ پہچانے
اِدھر ہماری زباں پر ہے مہرِ خاموشی
اُدھر کسی کی نظر کہہ رہی ہے افسانے
ہمیں نہ ہوں گے وہ دِن دیکھنے کو دُنیا میں
زبانِ خلق پہ ہوں گے ہمارے افسانے
نہیں تو فرصتِ ہنگامِ مے کشی ہی نہیں
مئے نشاط سے لب ریز تو ہیں پیمانے
شعُور وہ جو کرے رنگ و بُو سے بیگانہ
نگاہ وہ جو بدل دے چمن میں ویرانے
کہیں جنوُں کا تسلّط ہے عقل و دانش پر
کہیں فروغِ خرد سے ہیں لوگ دیوانے
رہتی اِک آتشِ در پردہ بھی تو ہے دِل میں
جلے نہ شمع تو پھر بھی جلیں گے پروانے

۳

سب کی اپنی اپنی راہیں اپنے اپنے رستے ہیں
پھر بھی کچھ اَن جانے راہی جیون میں آ بستے ہیں
دیوانہ آئے تو آئے اپنا آپ مٹانے کو
رُوپ جوانی کے آنگن میں سُکھ روتے دُکھ ہنستے ہیں
رنگ نرالے ڈھنگ انوکھے دیوانوں کی دُنیا کے
ہنس کر سنکٹ سہنے والے سنکٹ سہہ کر ہنستے ہیں
کیا کیا بھید بھری باتیں ہیں باتیں پیار محبّت کی
دل میں بسنے والوں کو ہی اکثر نین ترستے ہیں
تم آنے کی آشا دے کر جس برسات میں بچھڑے تھے
پھر ویسی برسات نہ آئی آنسو روز برستے ہیں
اِس دُنیا کی ریت یہی ہے اِس دُنیا کا ڈھنگ یہی
کِس کی خوشیاں، کیسی خوشیاں سب رونے کو ہنستے ہیں
دیکھ رِشی اِس جگ میں کیسا رنگ تماشا ہوتا ہے
آشاؤں کے مارے آ کر آشا جال میں پھنستے ہیں

روشن پٹیالوی

نام روشن لال۔ ۹ فروری ۱۹۰۹ء کو لالہ رام چرن داس ایڈووکیٹ کے باغِ اُمید میں گُلِ مراد بن کر کھلا۔ ابتدائی تعلیمی مدارج طے کرتے ہوئے ۱۹۲۹ء میں مہندرا کالج سے بی۔ اے کا امتحان نہایت کامیابی سے پاس کیا۔ پٹیالہ کالج میں تعلیم کے دوران میں اس وقت کے نامور شاعر جناب منشی نرائن پرشاد صاحب عاصی گیاوی کی تحریک پر شاعری شروع کی۔ انہی سے چند غزلیات پر اصلاح لی۔ اب گزشتہ چار سال سے ملک کے سرکردہ ادیب و عالم علامہ جناب ڈاکٹر منوہر سہائے صاحب انورؔ سے باقاعدہ اصلاح لے رہا ہوں۔ ۱۹۳۶ء میں اردو ماہنامہ "زندگی" امرتسر نے میرے طبع زاد افسانوں کے دو مجموعے "چراغ روشن" اور "چنگاریاں" شائع کئے۔ اس کے چند سال بعد لاہور کے مشہور ناشر مسیرز نرائن دت سہگل اینڈ سنز لاہور نے میرے افسانوں کے دو... مجموعے "شکستہ دِل" اور "غریب کی آہ" شائع کئے اور متعدد کُتب کا ہندی اور انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرایا۔

اِس طویل عرصے میں متعدد ہفت روزہ اخبارات اور ماہناموں کی اعزازی ادارت بھی کی مثلاً ماہنامہ "زندگی" امرتسر، "رتن" جموں، "ہما" امرتسر "کائنات" امرتسر، "شعلہ" لاہور،

ا

ہو ہمرنگِ خزاں فصلِ بہاراں یوں بھی ہوتا ہے
بسا اوقات اندازِ گلستاں یوں بھی ہوتا ہے
کوئی تدبیر ہرگز کارگر ہونے نہیں پاتی
کبھی مجبور ہر پہلو سے اِنساں یوں بھی ہوتا ہے
زباں رہتی ہے چُپ آنسو رواں ہوتے ہیں آنکھوں سے
کبھی رازِ دروں میرا نمایاں یوں بھی ہوتا ہے
پلا دیتا ہے زہرِ مرگ کے دو گھونٹ چُپکے سے
مریضِ غم پہ چارہ گر کا اِحساں یوں بھی ہوتا ہے
کبھی مِلتے ہیں ہر ہر گام پر رہبر نُما رہزن
مسافر راہِ اُلفت میں ہراساں یوں بھی ہوتا ہے
عجب کیا ہے فراوانی غموں کی راس آجائے
کہ دردِ عشق بن جاتا ہے درماں یوں بھی ہوتا ہے
چراغوں کی طرح ہوتے ہیں روشن داغ اُلفت کے
مرے دِل میں کبھی جشنِ چراغاں یوں بھی ہوتا ہے

۲

جو خُوش نصیب راہِ جنُوں سے گزر گیا
دِل اس کا آگہی کی تجلّی سے بھر گیا
دو روز ہی میں عہدِ جوانی گزر گیا
دریا چڑھا ہُوا تھا جو آخر اُتر گیا
پھر کیا کسی نظر میں سمائے وہ نامُراد
جو ایک بار تیری نظر سے اُتر گیا
جس نے کیا حیات کو پُر نُور صدق سے
کتنا عظیم کام وہ دُنیا میں کر گیا
صدمے اُٹھائے رنج سہے لیکن اُف نہ کی
ہنستا ہوا میں راہِ طلب سے گزر گیا
زندہ ہوں اِس لئے کہ نہ بدنام ہو وفا
اِلزام یہ نہ آئے کہ غم کھا کے مر گیا
روشن مرے بجھے ہوئے دِل کا ہر ایک داغ
تاریکیوں کے سینے میں اِک نُور بھر گیا

۳

اِس زمیں پر بھی چاند تارے ہیں
رُوح پرور حسیں نظارے ہیں
اُٹھ گیا پردۂ دُوئی دِل سے
ہم ہیں ان کے تو وہ ہمارے ہیں
اشک، فریاد، نالۂ پیہم
ٹُوٹے دِل کے یہی سہارے ہیں
کیوں نہ پیدا ہو گدگدی دِل میں
چاندنی رات کے نظارے ہیں
جو بھی آیا قریب ڈوب گیا
بحرِ اُلفت کے کیا کنارے ہیں
بھُول سکتا ہوں کیا کبھی اُن کو
دِن ترے ساتھ جو گزارے ہیں
داغ جو عِشق کے ہوئے روشن
جگمگاتے ہوئے سِتارے ہیں

زار انبالوی

نام اوم پرکاش اگروال۔ عمر ۳۴ سال۔ پیشہ طبابت۔ پیدائش قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں متوسط درجہ کے اگروال خاندان میں ہوئی۔ میٹرک کا امتحان آریہ ہائی سکول انبالہ شہر سے پاس کیا۔ بعد ازاں پٹیالہ طبیہ کالج سے طبابت کا امتحان پاس کیا۔ سنہ ۱۹۴۲ء سے طبابت کر رہا ہوں۔

فنونِ لطیفہ سے خاص دلچسپی ہے۔ اسی لئے طبیعت کا رجحان شعر و شاعری کی طرف ہے۔ کتب بینی کا بہت شوق ہے۔ پرانے اساتذہ کے کلام کو بہت عقیدت سے پڑھتا ہوں۔ ہر شاعر کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ فن شعر کو ایک مستقل فن سمجھتا ہوں۔ اسی لئے ان تمام قیود ہی میں رہ کر شعر کہتا ہوں جو وقتاً فوقتاً اساتذہ نے عاید کی ہیں۔ باقاعدہ مطالعہ اور مشقِ سخن ہی کو زینۂ ترقی سمجھتا ہوں۔ اُستادی شاگردی کو بُرا نہیں سمجھتا لیکن محض اُستاد کے سہارے ہی بیٹھے رہنا عقلمندی نہیں۔ شعر تو مدت سے کہتا ہوں۔ مگر عیوب اور محاسن کا کچھ پتہ سنہ ۱۹۵۲ء کے بعد ہی ہوا۔

۱

کیا کہوں چشمِ تمنّا نے مری کیا دیکھا
جس کا ہر قطرہ سمندر ہے وُہ دریا دیکھا
جو بھی دِل دیکھا وہ مجرُوحِ تمنّا دیکھا
ہم نے دُنیا کا ہر آئینہ شِکستا دیکھا
اور بھی ڈوب گئے اپنے گناہوں میں ہم
تیری رحمت کا جو اُمڈا ہُوا دریا دیکھا
پڑ گئی جِس پہ ترے نُور کی ہلکی سی کرن
ہم نے سُورج کے مقابل وہی ذرّا دیکھا
عہدِ عشرت سے بھی عُمر بھی عیش دِنا
کِس نے آتا ہُوا یہ خواب دوبارا دیکھا
عِشق کی آگ میں جل کر بھی مِلی ہے تسکین
ہم نے دوزخ میں بھی جنّت کا نظارا دیکھا
دَوڑ کر آنکھیں سرِ راہ بچھا دیں اے زار
قیس نے جب بھی مجھے عازمِ صحرا دیکھا

۲

پارسا ہوں نہ کوئی صاحبِ تقویٰ ہوں مَیں
تیرے جلوؤں کا مگر چاہنے والا ہوں مَیں

میرے اسرار کا پانا نہیں اتنا آساں
کہنے کو قطرہ مگر اصل میں دریا ہوں میں

کچھ نہ سمجھائیے اے حضرتِ ناصح مجھ کو
آپ سمجھائیں گے جو خوب سمجھتا ہوں میں

راحتِ جاں ہو مرے ایک تمہیں لے دیکر
بھول کر تم کو بھلا اور کسے چاہوں مَیں

اِک مجھی کو نہ ہوئی دورِ فلک میں گردش
اے مقدر تری تقدیر کو روتا ہوں میں

خاکساری سے مجھے کیوں نہ ہو رغبت ہردم
خاک کا پتلا ہوں مٹی کا کھلونا ہوں میں

مری ہستی کا بھروسا نہیں کچھ بھی اے زاد
بحرِ عالم میں حبابِ لبِ دریا ہوں میں

۳

داغِ دل چمکا مرے سینے میں پنہاں ہوکر
چاند نِکلا ہے چراغِ تہِ داماں ہوکر

کون گزرا ہے چمن زار سے خنداں ہوکر
رہ گئے پھول جو یوں چاک گریباں ہوکر

تم تو آئے ہی نہیں گھر مرے مہماں ہوکر
دِل کے ارمان رہے دِل ہی میں ارماں ہوکر

آپ کے لب پہ جو آئی ہے نہیں ہاں ہوکر
پھر گیا بخت مرا گردشِ دَوراں ہوکر

اِک نظر دیکھ تو آئینۂ دِل کو میرے
تک رہا ہے تجھے کِس وقت سے حیراں ہوکر

میری آنکھوں کو گھٹاؤں کے نظارے نہ دِکھا
ایک طوفان اُٹھا دیں گی یہ گریاں ہوکر

وہ اگر کھُل بھی گئے مجھ سے کسی وقت اے زارؔ
اُن کی آنکھوں میں رہی شرم نگہباں ہوکر

شعلہ

نام بھگوان داس۔ والد کا نام بالو رام۔ وطن اور تاریخ پیدائش مالیر کوٹلہ اگست ۱۹۱۲؁ء تعلیم بی۔ اے مہندرا کالج پٹیالہ۔ ایم اے (بزبان انگریزی) ایل۔ ایل۔ بی۔ علی گڑھ۔

مہاشہ راجپال نے سرسوتی آشرم لاہور سے غالباً ۱۹۲۷؁ء میں میرا ایک ڈرامہ 'بن باسی راجکمار' شائع کیا۔

شعر گوئی کا شوق بچپن سے ہے۔ ۱۹۳۴؁ء سے شاہنامۂ ہند' لکھ رہا ہوں جس کی تمہید جناب فراق گورکھپوری صاحب نے لکھی ہے اور جس کا ایک جزو محکمہ السنہ پنجاب سے اوّل انعام حاصل کر چکا ہے۔

جناب ظاہر حسن ظاہر مرحوم جو لبشیر مالیر کوٹلوی کے داماد اور بھتیجے تھے، کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ حضرت ظاہر جان کیٹس کی طرح عالمِ جوانی میں وفات پا گئے۔

میری شاعری میری والدہ۔ نانا اور دادا کی دین ہے۔ میرے نانا سلامت رائے مشہور مورّخ تھے۔

۱

اُن سے کہہ دو کہ ہمالہ کے نگہباں ہم ہیں
اجنبی آنکھ اُٹھانے کی جسارت نہ کریں
ہند نبّت نہیں، یہ دیش ہے جانبازوں کا
کر چکے ہیں جو حماقت وہ حماقت نہ کریں

اجنبی دیس کے بدنام سیاستدانو!
تم سا بدکیش زیاں کوش کوئی کیا ہوگا
ڈس لیا ہاتھ وہی دُودھ پلایا جس نے
اِتنا احسان فراموش کوئی کیا ہوگا

اے ہمالہ تری عظمت کی قسم ہے ہم کو
تری وسعت، تری رفعت کے محافِظ ہم ہیں
کون چھُو سکتا ہے یہ دُودھیا آنچل تیرا
تری عِزّت، تری عِصمت کے محافِظ ہم ہیں

۲

مرے عزائم میں کروٹیں لے رہا ہے جذبِ مجاہدانہ
کہاں ہے اب تندیٔ حوادث، کہاں ہے اب گردشِ زمانہ
حیات کی تلخیوں کے صدقے، نہ سوز باقی نہ ساز باقی
نہ میرے دل میں سرور و مستی، نہ تیری آنکھیں شراب خانہ
بچا کے دامن نشاطِ ساحل سے کون اِس شب کی ظلمتوں میں
بڑھا رہا ہے اُدھر ہی کشتی، جدھر ہوا ہے مخالفانہ
کسے خبر، کب ملیں یہ ساغر بدست شب کے حسین لمحے
ذرا سی دیر اور جاگیے گا کہ ختم ہونے کو ہے فسانہ
عجیب عالم ہے کشمکش کا، تمھیں بتاؤ کدھر کو جاؤں
جو کھینچتی ہے اِدھر محبّت، تو کھینچتا ہے اُدھر زمانہ
اُسے ڈرائیں گی بجلیاں کیا، اُسے اُجاڑیں گی آندھیاں کیا
کہ جس نے پھونکا ہو آپ ہی اپنے ہاتھ سے اپنا آشیانہ
خدا کرے بچ بچا کے دونوں کی زد سے شعلہ نکل ہی جاؤں
حدودِ دیر و حرم سے آگے ہے دو قدم پر شراب خانہ

۳

حیا کا جو گھونگٹ ہے دوشیزگی پر، وہ گھونگٹ اُٹھانے کی کوشش نہ کرنا
بہاروں کی مُنہ بند کلیو! چمن میں، کبھی مُسکرانے کی کوشش نہ کرنا

یہاں کون دیتا ہے مرہم کسی کو، یہاں کون رکھتا ہے زخموں پہ پھاہا
یہ دُنیا ہے دُنیا میں اے دل کسی کو غمِ دل سنانے کی کوشش نہ کرنا

مجھے تخلیہ میں تصوّر کو اُن کے دکھاتا ہے رِستے ہوئے زخمِ دل کے
شبِ ہجر ماضی کی رنگین یادو، میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرنا

فسانہ مرے دِل کی بربادیوں کا تمہیں یاد آئیگا منزل بہ منزل
مجھے بھُول جانا نہیں اِتنا آساں، مجھے بھُول جانے کی کوشش نہ کرنا

یہ کعبہ نہیں یار کی انجمن ہے، یہاں بندشیں ہیں زبان و نظر پہ
یہاں لب ہلانے کی جرأت نہ کرنا نگاہیں اُٹھانے کی کوشش نہ کرنا

سِتم پر سِتم، ظلم پر ظلم ڈھاؤ، مرے پیار کو خُوں کے آنسو رُلاؤ!
مرے غمکدہ سے جو جاتے ہو جاؤ، مگر یاد آنے کی کوشش نہ کرنا

یہ جو زخمِ تازہ عنایت ہیں ان کی، قسم ہے تمہیں ان کو بھرنے نہ دینا
یہی تو محبّت کی دولت ہیں شعلہ، یہ دولت لُٹانے کی کوشش نہ کرنا

سوزؔ شرمن

نام ہربنس لال۔ شاعری کی چنگاری بچپن سے تھی۔ اِس لئے سوزؔ تخلص اختیار کیا۔ اور اب صرف سوزؔ شرمن ہی لکھتا ہوں۔

بہ مقام نابھہ ۱۹۲۶ء ماہ فروری میں پیدا ہوا۔ قبلہ دادا مرحوم شری باسدیو جی ریاست نابھہ کے حلقۂ علما و فضلائے سنسکرت کے صدر تھے۔ اِس لئے مہاراجہ ہیرا سنگھ والئیِ ریاست نابھہ اُن کے بہت قدردان تھے۔ پتاجی شری بھوپال دیو جی نے بطور مدرس تعلیمی فیض جاری رکھا۔ اور اس ... سے میں بھی فیضیاب ہوُا۔ میٹرک میں ادبی شوق کی دبی ہوئی چنگاری کے تحت سنسکرت کے ساتھ ہندی کی بجائے اُردو لی۔ خاندانی خدمات کی بنا پر براہِ راست سارجنٹ بھرتی ہوُا پھر پھلکیاں پولیس میں شامل ہوُا۔ پٹیالہ کے ماحول نے اِس سُلجھتی ہوئی چنگاری کو ہوا دی۔ کچھ دوستوں کی صحبت نے سہارا دیا۔ شعر و شاعری پر باضابطہ توجہ کی۔ شعر کہتا ہوں لیکن اُس وقت جب میرے دِل کی آواز مجبور کرتی ہے۔ اِس لئے جو بھی وقت مِلتا ہے۔ اپنے دبے ہوئے شوق کو اُبھارنے میں گزارتا ہوں۔

۱

بجھایا ہے دلِ سحر کی ظلمتوں نے، اسے جگمگانے کی کوشش تو کر لو
جلے گا تو کیا یہ چراغِ محبت، مگر تم جلانے کی کوشش تو کر لو

بدل کر جو رکھ دے چمن کی فضا کو کوئی انقلاب ایسا آ جائے شاید
جلائے ہیں جو برق نے آشیانے، انہیں پھر بنانے کی کوشش تو کر لو

گرایا ہے ساقی کی نظروں نے جن کو ضرورت ہے ان پر توجہ کی زیادہ!
جو اُٹھ کر گرے گر کے پھر اُٹھ نہ پائے، انہیں تم اُٹھانے کی کوشش تو کر لو

یہ مانا تمہاری ہنسی چھین لی ہے، گلستاں کے مسموم جھونکوں نے مل کر
خُدا کے لئے میرے گلشن کے غنچو، ذرا مسکرانے کی کوشش تو کر لو

یہ داغِ محبت ہیں اے چارہ سازو، چمکتے رہے ہیں چمکتے رہیں گے
ذرا تم مٹا کر تو ان کو دکھاؤ، ذرا تم مٹانے کی کوشش تو کر لو

تمہیں دوسری رات بھی کاٹنی ہے کہاں تک ستاروں سے باتیں کرو گے
گئی رات آدھی مریضانِ فرقت، ذرا نیند لانے کی کوشش تو کر لو

مسلسل فغاں مستقل آہ و زاری، روش تو یہ کچھ اچھی نہیں ہے
تمہیں کس قدر ضبطِ غم کی ہے طاقت، اسے آزمانے کی کوشش تو کر لو

۲

دِل ہی جب بیدار نہیں ہے — دُنیا پُر انوار نہیں ہے
آپ کا جب دیدار نہیں ہے — جینا کیوں دُشوار نہیں ہے
دِل جو کسی کی یاد میں دھڑکے — وہ دھڑکن بیکار نہیں ہے
پی نہ سکے جو بادۂ اُلفت — وہ میکش سرشار نہیں ہے
تیرے کرم کا طالب ہے دِل — تجھُ سے تو بیزار نہیں ہے
داغ وفا رکھتا ہے دِل میں — عشق کبھی نادار نہیں ہے
جنّت میں کیا خاک لگے دِل — جنّت کوُئے یار نہیں ہے
جو دِل تیرے غم سے ٹوٹا — وُہ دِل پھر بیکار نہیں ہے

اِس غم سے ہے سوز پریشاں
سوز کا تو غم خوار نہیں ہے

۳

تمہارے غم سے جو لپٹی ہوئی حیات ملی
مجھے گمان یہ ہوتا ہے کائنات ملی
تری تلاش کے لمحے وہ قیمتی لمحے
قدم قدم پہ مجھے راہ میں حیات ملی
یہ حسن و عشق کی قسمت یہ اپنا اپنا نصیب
کسی کی فتح ہوئی اور ہم کو مات ملی
جناب شیخ کو کہتے ہیں سب خدا والے
ہمیں تو کوئی بھی اُن میں نہ ایسی بات ملی
ہمارے غم پہ یہ ہنستا ہے کس لئے ناصح؟
بتا جہان میں غم سے کسے نجات ملی؟
ابھی حواس میں ہوں اب ملے تو بات بھی ہے
جو پھر ملی بھی تو کیا چشم التفات ملی
ہزار بوالہوسوں نے بڑھائے ہاتھ مگر
ہمیں کو سوز محبت کی کائنات ملی

شاہی

نام جوالا پرشاد ۴ جنوری ۱۹۲۰ء کو قصبہ مُلّاں پور غریب داس تحصیل کھرڑ ضلع انبالہ کے مشہور گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم جین ہائی سکول انبالہ شہر میں حاصل کی میٹرک اینگلو سنسکرت ہائی سکول انبالہ شہر سے کی۔ طبیعت بچپن ہی سے شعر کی طرف مائل تھی۔ مشقِ سخن کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ ادبی محفلوں میں متعارف ہوا۔

سیّد القلم پنڈت یوگی راج نظرؔ سوہانوی (مرحوم) جو رشتہ میں چچا لگتے ہیں۔ اور پنڈت کالو رام اترمی نے میری طبیعت میرے جذبات اور احساسات پر گہرا اثر ڈالا۔

۱۹۵۰ء میں قبلہ مولانا ابر احسنی گنوری کی خدمتِ اقدس میں اپنا کلام اصلاح کے لئے پیش کیا۔ میرا پہلا مجموعہ "شعلۂ احساس" منظرِ عام پر آچکا ہے۔ دوسرا مجموعہ "روحِ احساس" زیرِ ترتیب ہے۔ انشاءاللہ جلد شائع ہو سکے گا۔

ا

لٹا کے دولتِ دُنیائے عاشقی میں نے
جہانِ حسُن کو بخشی ہے زندگی میں نے
مری نظر سے ہوُا ہے۔ فروغِ رنگِ بہار
چمن میں پھوُل بنا دی ہے ہر کلی میں نے
جبینِ شوق جھکائی ہے ذرّے ذرّے پہ
قدم قدم پہ ادا کی ہے بندگی میں نے
بڑے ہی فیض رساں ہیں دِل و جگر کے داغ
مہ و نجوُم کو بخشی ہے روشنی میں نے
ترے کرم کے سہارے اُمید کی کشتی
تلاطمِ غمِ ہستی میں ڈال دی میں نے
کلی کلی متبسّم ہے آج گلشن میں
روش روش کو عطا کی ہے تازگی میں نے
وہ خضرِ قافلۂ زندگی ہوں میں شاہی
دیا ہے زیست کو پیغامِ آگہی میں نے

۳

تمہارے آستاں سے اُٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
کہاں ہے زندگی یہ دِل کو بہلانے کہاں جاتے
اگر ہوتا نہ رنگِ دل نوازی ان کی محفل میں
تو دِل والے فریبِ آرزو کھانے کہاں جاتے
اُمیدیں دِل کی برآتیں جو دُنیائے محبت میں
مری ناکامئ پیہم کے افسانے کہاں جاتے
اگر اپنے کرم سے وُہ چھپا لیتے نہ دامن کو
تو دُنیا بھر کے ٹھکرائے ہوئے جانے کہاں جاتے
درِ پیرِ مُغاں سے اُٹھ گئے ہوتے جو متانے
تو یہ شیشے یہ پیمانے یہ میخانے کہاں جاتے
ازل ہی سے ہمارے بخت میں تھی دشت پیمائی
اماں بستی میں مِل جاتی تو ویرانے کہاں جاتے
نہ جل بجھتے جو پروانے وفورِ شوق میں شاہیؔ
تو پھر عشق و محبت کے یہ افسانے کہاں جاتے

۳

کچھ کم یہ داغ ہائے محبّت نہیں مجھے
فصلِ بہار تیری ضرورت نہیں مجھے

جور و ستم ہیں اور دلِ غم پسند ہے
اب آرزوئے لطف و عنایت نہیں مجھے

بے گانگیٔ دوست کا شکوہ ہے واقعی
بے مہریٔ جہاں کی شکایت نہیں مجھے

بیٹھا ہوں بزمِ ناز میں یوں آج دم بخود
اظہارِ شوق کی بھی اجازت نہیں مجھے

جی چاہتا ہے ان سے کہوں اپنے دِل کا حال
لیکن بیانِ حال کی جُرأت نہیں مجھے

اے دِل خیالِ ترکِ محبّت بجا سہی
لیکن مجالِ ترک محبّت نہیں مجھے

شاہی وہ ہر گھڑی ہیں تصوّر میں جلوہ گر
اب اِمتیازِ خلوت و جلوت نہیں مجھے

شائق

اُودے سنگھ نام۔ شائق تخلّص۔ سنِ ولادت اپریل ۱۸۹۵ء۔ جائے ولادت موضع مچاکی سابقہ ریاست فرید کوٹ (پنجاب) خاندان مچاکی۔ لسان الاعجاز میرا ادبی خطاب ہے جو ۱۹۲۱ء میں انجمنِ اربابِ علم پنجاب کی جانب سے مِلا۔

میری عمر اس وقت ۷۰ برس کی ہو چکی ہے۔ میرا گہوارۂ تعلیم فورمن کرسچن کالج لاہور تھا۔ میں نے لا کالج لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگری ۱۹۲۱ء میں حاصل کی۔ اور پریکٹس بطور وکیل ۱۹۲۲ء میں فیروزپور شروع کی۔ ۱۹۳۲ء سے لیکر ۱۹۵۰ء تک سرکاری وکالت کے عہدہ کے فرائض سرانجام دئے۔ اب بطور ایڈووکیٹ فرید کوٹ مقیم ہوں اور ہائی کورٹ چنڈی گڑھ (پنجاب) میں پریکٹس کرتا ہوں۔ میری مشقِ سخن قریباً ۴۸ سال کی ہے۔ انجمن اربابِ علم پنجاب موسلہ (۲۸-۱۹۱۸) کے بانیوں میں سے ہوں۔ گزشتہ ۳۰ سال سے مخلصانہ رنگ میں اُردو ادب کی خدمت کر رہا ہوں۔ خدا کرے کہ یہ سلسلہ مرنے تک اسی طرح قائم رہے۔

ا

یہ مری نظر نے سبق لیا کبھی پھول سے کبھی خار سے
کہ جو گلستاں کا جمال ہے وہ الگ ہے حسنِ بہار سے

یہ نظر کو بزمِ جمال میں عجب احترامِ جمال تھا
کہ پہنچ کے روئے نگار تک رہی دور روئے نگار سے

جو نقاب پوش حقیقتیں مرے سامنے ہوئیں جلوہ گر
تو نگاہِ شوق لپٹ گئی گلِ تر کو چھوڑ کے خار سے

یہ فریبِ حسنِ بہار کیا تو مری نظر سے چمن کو دیکھ
کہ نگاہِ رمز شناس ہو تو خزاں حسیں ہے بہار سے

یہ حسین مناظرِ آگہی مجھے کچھ فریب نہ دے سکے
رہِ عشق میں مرے سامنے بہت آئے نقش و نگار سے

مرے دشتِ عشق کے سامنے ترا گلستانِ جمال کیا
یہاں خار پیدا ہیں پھول سے وہاں پھول پیدا ہیں خار سے

یہ الم ہیں تشائقِ زار کو نہ پیامِ فصلِ بہار دو
کہ خزاں نصیب قفس ہے یہ اسے کیا چمن کی بہار سے

۳

جہاں نہ میرے لئے ہے نہ میں جہاں کے لئے
جو ہوں یہاں تو فقط زیبِ داستاں کے لئے

ہمیں تو موسمِ گُل کی ہے بس خبر اِتنی
جواں ہوئی تھی کوئی برق آشیاں کے لئے

نہ پُوچھ آہ! یہ دشتِ جنوں کی ویرانی
بھری بہار کو چھوڑا ... اِس خزاں کے لئے

سفر تمام ہوا اور قریب ہے منزل
بہانہ چاہیئے اب مرگِ ناگہاں کے لئے

ریاضِ دہر میں ہم نے تو ہر شجر دیکھا
مگر ملی نہ کوئی شاخ آشیاں کے لئے

رمُوزِ عشق و محبت تو دِل کی باتیں ہیں
ہر ایک راز نہیں گوشِ رازداں کے لئے

ریاضِ دِل میں تلاشِ بہار لا حاصل
کہ یہ چمن تو ہے شائق فقط خزاں کے لئے

۳

عِشق کے ساز میں وُہ شعلۂ آواز نہیں
اب کوئی دیدۂ خُونبار چمن ساز نہیں

وُہ مرے سامنے عُریاں ہے حقیقت کا جمال
اب وہ عالم ہے کوئی راز بھی اب راز نہیں

بیخُودی میں کوئی آواز تو سُنتا ہُوں ضرُور
دیکھتا ہُوں تو کوئی صاحبِ آواز نہیں

توڑ ڈالا مری نظروں نے طلسمِ اعجاز
اب ترا حسُن بھی حیرت کدۂ راز نہیں

عشق میں عِشق کی آواز وہی سُنتا ہے
جو سمجھتا ہے کوئی عِشق کی آواز نہیں

آتشِ شوق ٹپکنے لگی آنسُو بن کر
آہ وہ رازِ محبت کہ جو اب راز نہیں

کِس طرح دیکھیے تکمیلِ وفا ہو شائق
محفلِ ناز میں اَب نازِ ستم ساز نہیں

شباب

نام جے بھگوان بھاردواج ہیں یکم جون ۱۹۰۸ء کو موضع بھوپس گڑھ
ضلع کرنال میں پیدا ہوا۔ پدرِ بزرگوار اُردو فارسی اور ریاضی کے مسلّمہ اُستاد
تھے جن کے ہزاروں شاگرد اب بھی مدّاح ہیں۔ اردو فارسی زبان کا مذاق
پدرِ بزرگوار ہی کی برکت ہے۔ مڈل پاس کر کے محکمہ تعلیم میں بطور ٹیچر پرائمری
کلاس بھرتی ہوا۔ اور کم و بیش چالیس سال اس محکمہ کے مختلف شعبوں
میں خدمات انجام دیں۔ دوسری جنگِ عظیم میں بطور پبلسٹی افسر کام کرتا
رہا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں پی۔ ای۔ ایس ہوا۔ مڈل کے بعد تمام امتحانات
پرائیویٹ پاس کئے۔ بی۔ اے تک اردو و فارسی کا مطالعہ کیا۔ نہبر
کالج سنگرور میں اسسٹنٹ لیکچرار بھی رہا۔ تیرہ سال گورنمنٹ ہائی سکول
چرخی دادری میں ہیڈ ماسٹر رہ کر ڈپٹی۔ آئی اوف سکولز مقرر ہوا۔ اس
عہدہ پر قریباً اڑھائی سال کام کرنے کے بعد مارچ ۱۹۶۳ء میں ضلع
پٹیالہ سے ریٹائر ہوا۔ اب پٹیالہ میں بود و باش ہے اور فارمنگ کا شغل کرتا
ہوں۔ شعر و شاعری کا زمانہ طالب علمی ہی سے شوق ہے۔ پہلے تخلّص چرخ
تھا لیکن پچاس سال کی عمر کے بعد بدل ڈالا۔ اب تخلّص شباب ہے۔

۱

دے کے دوائے دردِ دل درد بڑھا گیا کوئی
لگتی ہے جو بجھائے سے ایسی لگا گیا کوئی

دہر کے بادشہ سبھی آئے نظر گدا ہمیں
اپنی نگاہِ شوق میں جب سے سما گیا کوئی

آئے جو وہ مزار پر آئی صدا یہ برملا
سوئے پڑے تھے چین سے فتنے جگا گیا کوئی

تنکے اُٹھا کے لائے تھے تاکہ بنائیں آشیاں
تنکے چُرا کے یہ قفس ہائے بنا گیا کوئی

شاکیٔ چرخِ دہر ہے چرخ ہے شاکیٔ بُتاں
روئیں نہ کس لئے بھلا ہم کو رُلا گیا کوئی

۲

اگر چاہوں تو لڑ سکتا ہوں میں ساری خدائی سے
لڑائی کر نہیں سکتا مگر جورُو کے بھائی سے

اِدھر سردی کی یہ راتیں ہیں اُدھر ظلم و ستم ان کے
وہ رُوئی تک چُرا کر لے گئے میری رضائی سے
الٰہی بی اسے بیوی میرے گھر میں جب سے آئی ہے
مصارف بڑھتے جاتے ہیں مری اپنی کمائی سے
اِدھر ہے کریم پاوڈر، عِطر لیونڈر کی فرمائش
اُدھر مجھ کو نپٹنا سخت مشکل نارسائی سے
کبھی سرزد ہو گستاخی تو ڈنڈے کی جگہ اکثر
وہ سمجھاتی ہے چپکے سے جھٹک کر مجھ کو ٹائی سے
ہو سرکل کوئی بھی چاہے وہ ہائر سے بھی ہائر ہو
پہنچ جاتا ہوں فوراً ہی میں بیوی کی رسائی سے
ہوئی ہیں جب سے وہ وارد یہی ہے ان کی فرمائش
"ہو مِل کر نہ تم اب سے کبھی ماں باپ بھائی سے"
کرشمہ دیکھ کر یہ چرخ بھی چکّر میں آیا ہے
خُدا محفوظ رکھے دوستو ایسی لگائی سے

جواہر

امن کا تو دیوتا تھا عقل کا پُتلا تھا تو
کیا بتائیں ہم جواہر کیا تھا اور کیسا تھا تو

تیرگی چھائی ہوئی تھی ایشیا میں ہر طرف
کر دیا تو نے اُجالا نور کا دریا تھا تو

تھی ترے دم سے وطن کے گلستانوں میں بہار
مست تھا جس پر وطن وہ کیف زا نغمہ تھا تو

دوست و دشمن سبھی ہیں آج غم میں مبتلا
گُل کو تھی تجھ سے عقیدت خار کو پیارا تھا تو

آج ہے سُونا وطن کا میکدہ تیرے بغیر
ساقیٔ رعنا تھا تو پیمانۂ صہبا تھا تو

دوشِ نازک پر گراں بارِ وطن تولے ہوئے
دیش کی تقدیر کا اُمید افزا تھا تو

تھا سیاست پر تدبر پر تجھے پورا عبور
گتھیاں اُلجھی ہوئی سُلجھانے میں یکتا تھا تو

فرحت

نام عبدالحمید خاں، میری تاریخ پیدائش ۹ فروری ۱۹۰۵ء اور
آبائی وطن مالیر کوٹلہ ہے۔ میرے والدِ ماجد کرنل قادر بخش خاں مرحوم و
مغفور الملقب بہ "سی۔آئی۔ای" "او۔بی۔آئی" ریاست مالیر کوٹلہ کی افواج کے
کمانڈر رہے۔ اور ۱۹۳۳ء میں اس جہانِ فانی سے راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔
میں نے ۱۹۳۰ء میں دہلی یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل
کی۔ اور اسی ریاست کی فوج میں لیفٹیننٹ کا کمیشن حاصل کر کے ملازمت
کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۲ء میں میجر رینک سے ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہو گیا۔
کالج کی تعلیم کے زمانے میں طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی۔ اپنی
ابتدائی مشقِ سخن میں نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی
مرحوم سے اصلاح لیتا رہا۔ ملازمت کے دوران میں شعر و سخن سے واسطہ
نہ رہ سکا۔ پنشن پانے کے بعد دماغ کی سوئی ہوئی قوتیں پھر بیدار ہوئیں اور
شعر گوئی کی طرف پھر میلانِ خاطر نے رجوع کیا۔ یہاں حضرت علامہ شیخ
بشیر حسن صاحب سے اصلاح لینی شروع کی۔ آجکل علامہ موصوف کراچی میں
مقیم ہیں۔ اب بھی اپنی تخلیقات ان کی خدمت میں بھیجا کرتا ہوں۔

۱

تصوّر ہے اسے چشمِ جانانہ کس کا
نگاہوں میں پنہاں ہے افسانہ کس کا
ہر اہلِ نظر بے خود و مست کیوں ہے
یہ محفل میں ہے رقصِ مستانہ کس کا
سلامت تری چشمِ پُر کیف ساقی
کہاں کی شراب اَور میخانہ کس کا
نہیں سوزِ الفت سے محروم کوئی
یہ جاری ہے فیضِ کریمانہ کس کا
اُٹھے شمع سے بھی محبّت کے شعلے
یہ کام آیا سوزِ حریفانہ کس کا
سماتی نہیں اس میں اب کوئی صُورت
یہ دِل بن چکا ہے پری خانہ کس کا
بڑھا جا رہا ہے حدِ لامکاں سے
خُدا جانے فرحت ہے دیوانہ کس کا

۲

شمع کو شب بھر جلاتی کیوں نہ پروانوں کی بات
سوختہ دل جانتے ہیں سوختہ جانوں کی بات

داستانِ زندگی کے منتشر اوراق پر
جا بجا مرقوم تھی اُن کے پریشانوں کی بات

بارِ غم ہلکا وہ کر سکتے تھے لیکن اے ندیم
تشنۂ تکمیل رہتی ہم گراں جانوں کی بات

پی گئے ان آنسوؤں کو ہم بہ پاسِ احترام
جن میں پنہاں تھی غمِ اُلفت کے دیوانوں کی بات

خود ہمارے ہی لئے اِک راز بن کر رہ گئے
تُم سے کیا کہتے ہم اپنے دِل کے ارمانوں کی بات

رہ گئی دِل تھام کر قیدِ قفس میں عندلیب
موسمِ گُل میں جو یاد آئی گلستانوں کی بات

جب تک اے فرحت مقابل ساقیٔ محفل نہ ہو
کیف سے خالی نظر آتی ہے پیمانوں کی بات

۳

اندازِ عشق آہ و فغاں تک پہنچ گئے
اب دِل کے راز شرح و بیاں تک پہنچ گئے

ہر شے میں ایک تلخیٔ غم دیکھتا ہوں میں
غم کے تصرّفات یہاں تک پہنچ گئے

جن پر کیا تھا قصرِ محبّت کو اُستوار
اب وہ یقین وہم و گماں تک پہنچ گئے

اِک وقت تھا کہ عِشق میں تھی شانِ عاشقی
اب سِلسلے یہ سُود و زیاں تک پہنچ گئے

بُلبل کے اہتمامِ نشیمن کو دیکھ کر
میرے خیال برقِ تپاں تک پہنچ گئے

اب اُن سے اِختلاف کی صُورت نہیں رہی
دِل کے معاملات یہاں تک پہنچ گئے

فرحتؔ چمن اُنہی کا بہاریں اُنہی کی ہیں
جو گُل نگاہ دیدہ وراں تک پہنچ گئے

کمال مالیرکوٹلوی

نام کمال الدین ہیں نے ابتدائی تعلیم راج ہائی سکول سنگرور میں حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں سکول چھوڑ کر مالیرکوٹلہ واپس چلا آیا۔ انہیں دنوں اُستاد ناتی صاحب اور ظاہر خلد آشیاں کی صحبتوں نے علم واخلاق کی اس دولت سے بھی ضروری حد تک مالا مال کر دیا جو سکولوں اور کالجوں میں نصیب نہیں ہوسکتی۔ جوانی میں مشقِ سخن جاری کی۔ اُستاد ناجی صاحب نے قدم قدم پر رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ علامہ بشیر نے سرپرستی فرمائی اور خیالات کو تابانیاں بخشیں۔ ظاہر خلد آشیاں نے نگرانی کی۔ دفعتہً ۱۹۴۷ء کا طوفانی انقلاب عیش و راحت کے سارے سرمائے بہا کر لے گیا۔ اکلوتا بیٹا اور تمام بھائی بند پاکستان چلے گئے کاروبار سب فیل ہوگئے۔ گلشنِ حیات مرجھا گیا۔ زندگی میں کوئی دلچسپی نہ رہی۔ نام ونمود کی خواہش نہیں۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ کبھی رنگین ماضی کی یاد ستاتی ہے تو اپنے شفیق اُستاد ناجی صاحب جو مہربان دوست بھی ہیں۔ اور میجر عبدالحمید خانصاحب فرحت جو کرم فرما اور قدردان بھی ہیں کی صحبتوں سے سیراب ہو کر دل کی لگی بجھا لیتا ہوں۔

۱

فغانِ قلبِ حزیں کو اثر نہیں مِلتا
جہاں میں مرہمِ زخمِ جگر نہیں مِلتا
شجر شجر ہے گلستاں کا خُلدِ چشم و نظر
پہ شاخ شاخ نگاریں ثمر نہیں مِلتا
بنا ہے صحنِ چمن جلوہ گاہِ حسن و جمال
ہزار حیف کوئی دیدہ ور نہیں مِلتا
مری نگاہ میں ہے موج موج دریا کی
صدف صدف پہ نظر ہے گہر نہیں مِلتا
شبِ فراق کی تاریکیاں معاذ اللہ
کہیں نشانِ طلوعِ سحر نہیں مِلتا
لہو سفید ہوُا اِس قدر زمانے کا
مریضِ غم کے لئے چارہ گر نہیں مِلتا!
کمال دہر میں ہمدم تو ہیں بہت لیکن
نہیں تو محرمِ دردِ جگر نہیں مِلتا

۲

عیاں شاعر پہ ہر آغاز کا انجام ہوتا ہے
نبی ہوتا نہیں لیکن اسے الہام ہوتا ہے

کوئی برباد ہوتا ہے کوئی بدنام ہوتا ہے
اسیرانِ محبت کا یہی انجام ہوتا ہے

تمہاری یاد خود فریاد بن کر لب پہ آتی ہے
دلِ بیتاب ناحق موردِ الزام ہوتا ہے

ٹھہر اے گردشِ دوراں یہاں کچھ دیر دم لے لیں
کہ میخانے کے سائے ہیں ذرا آرام ہوتا ہے

لبِ فریاد کو محرم نہ کر حرفِ شکایت سے
کہ ناموسِ محبت اِس طرح بدنام ہوتا ہے

جنونِ شوق پہ اُس کے خرد بھی رشک کرتی ہے
جو دیوانہ تمہارے عشق میں بدنام ہوتا ہے

کمالؔ اُردو زباں سے دشمنی؟ کمبخت توبہ کر
بُرے کاموں کا ہر صورت بُرا انجام ہوتا ہے

۳

فروغِ حسنِ گل بن کر بہارِ بوستاں ہو کر
وہ ہر سُو جلوہ گر ہیں زینتِ باغِ جہاں ہو کر
اُمڈ آئیں بلائیں ہر طرف سے آندھیاں ہو کر
ہوا جب آشیاں تعمیر میرا آشیاں ہو کر
بسر کر زندگی ہمرنگ شبنم باغِ عالم میں
سما جا دیدۂ گل میں بہارِ بوستاں ہو کر
زمیں والے مری شبہائے غم کا حال کیا جانیں
رہے ہیں کچھ مہ و انجم ہی میرے رازداں ہو کر
بہار آتے ہی پھر دستِ جنوں کو چھیڑ سوجھی ہے
ہمارے جیب و داماں پھر اُڑیں گے دھجیاں ہو کر
نگاہیں تم نے کیا بدلیں مری دُنیا بدل ڈالی
زمانہ ہو گیا دُشمن شریکِ آسماں ہو کر
سجا دے پھر کمالؔ آ کر خیابانِ مضامیں کو
گلستانِ سخن میں بلبلِ رنگیں بیاں ہو کر

مہر چند کوثر

۱۹۱۹ء میں ضلع بٹھنڈہ کے ایک پرانے قصبہ بڈلاڈہ میں پیدا ہوا۔ وہیں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں بسلسلۂ ملازمت پٹیالہ آیا۔ اب ۱۹۵۵ء سے برنالہ میں مقیم ہوں۔

اپریل ۱۹۵۳ء میں پٹیالہ میں بہت بڑے پیمانے پر ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ وہی مشاعرہ میری فنّی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا موجب بنا۔ اُردو زباں سے بیحد لگاؤ اور مطالعے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ میں نے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب نوبہار صابر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور میں رفتہ رفتہ اچھے شعر کہنے لگا۔ میری طبیعت کا رجحان غزل کی طرف زیادہ ہے۔ نظم بہت کم کہتا ہوں۔ قبلہ جوش ملسیانی۔ جناب کرپال سنگھ بیدار۔ جناب نوبہار صابر میرے کرمفرماؤں میں سے ہیں۔ حلقہ احباب میں جناب سورج نو تیرہ کمل جیت ساغر شفائی۔ ویر پرکاش اثر۔ رشی پٹیالوی۔ نسیم نورمحلی۔ ساحر سنامی۔ روشن پٹیالوی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ جن کی صحبت سے میں اکثر فیضیاب ہوتا رہتا ہوں۔

ا

کہاں کی فکرِ چمن، آشیاں بھی کھو بیٹھے
تری تلاش میں اپنا نشاں بھی کھو بیٹھے

خوشی کی چاہ میں نکلے تھے تیرے دیوانے
خوشی کہاں کی، غمِ جاوداں بھی کھو بیٹھے

خرد کی راہ پہ چل کر کہیں کے بھی نہ رہے
تلاشِ سُود میں لطفِ زیاں بھی کھو بیٹھے

چلے تھے طوفِ حرم کی جو آرزو لے کر
وہ بدنصیب ترا آستاں بھی کھو بیٹھے

ترے فراق میں آنکھیں تو خیر پُرنم تھیں
ہم آج طاقتِ ضبطِ فغاں بھی کھو بیٹھے

مرے وجود سے ملتا تھا کچھ سُراغ اُن کا
مجھے مٹا کے وہ اپنا نشاں بھی کھو بیٹھے

خودی کو بیچ کے جینا پڑا جنہیں سرگوشم
وہ لوگ مقصدِ عمرِ رواں بھی کھو بیٹھے

۳

بنا دیا مجھے خوگر ستم اُٹھانے کا
یہ مجھ غریب پہ احسان ہے زمانے کا
ابھی سے آ گئے آنسو تمہاری آنکھوں میں
ابھی تو خیر سے آغاز ہے فسانے کا
دلِ ملال زدہ ڈھونڈتا ہے مدّت سے
کوئی بہانہ تری انجمن میں آنے کا
وُہ آرزو نہ کریں جلوہ ہائے رنگیں کی
جو حوصلہ نہیں رکھتے نظر اُٹھانے کا
نہ اب وہ گردشِ حالات ہے نہ یورشِ غم
بدل دیا تری شفقت نے رُخ زمانے کا
حریمِ دِل میں وُہ جانِ چمن رہا جب تک
کہاں رہا مجھے زنداں پہ آشیانے کا
اُنہیں پہ بار گزرتی ہے زِندگی گوشہ
جنہیں شعور نہیں بارِ غم اُٹھانے کا

۳

یوں ترے کوچے سے ہم سر بگریباں گزرے
جیسے گلشن سے اسیرِ غمِ دوراں گزرے

بڑھ چلا غمکدۂ دِل میں اندھیروں کا ہجوم
کاش اِس راہ سے بھی وہ مہِ تاباں گزرے

کہیں آسودگیٔ ذوقِ نظر ہو نہ سکی
نگہِ شوق سے کتنے ہی گلستاں گزرے

بزمِ اغیار سے اُٹھے تو بصد رنج و ملال
کوچۂ دوست سے گزرے تو پریشاں گزرے

دولتِ عیش میسّر ہے نہ سرمایۂ غم
زِندگی کیا ہے اگر بے سرو ساماں گزرے

بادِ صرصر کو یہ لازم ہے کہ ہنگامِ سحر
احترامِ گُل و غنچہ میں خراماں گزرے

جن کو معلوم تھے آدابِ محبّت گوشہ
منزلِ دار سے بھی شاد و غزلخواں گزرے

کوشال

نام سوڈھی گوبچن سنگھ۔ تاریخ ولادت ۲۶ر اپریل ۱۹۰۵ء
وطن موضع سنگت پورہ سوڈھیاں۔ والد سوڈھی دلیپ سنگھ جی۔
تعلیم میٹرک۔ قصبہ سوہانہ ضلع انبالہ میں میری شادی اٹھارہ سال کی
عمر میں ہوئی۔ وہاں نظر سوہانوی کی صحبت نصیب ہوئی۔ لسان الاعجاز
پنڈت میلا رام وفا ویر بھارت کے ایڈیٹر تھے۔ ان کی اصلاحی توجہ
فرمائی نے میری شوقیہ شاعری کو مقبولیت کا شرف بخشا۔ کچھ دورِ
ملازمت کی تلخیوں نے اور کچھ رسالہ رئیس ہند دہلی کے فاضل سرپرست
رئیس القلم دیوان بھگونت رائے بہار سنامی کی قابلِ رشک ادبی شہرت مع
خودداری نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ لوٹ میں اخبار کی دنیا میں آ گیا۔
پٹیالہ سے ماہنامہ پھول بلی جاری کیا۔ ۱۹۵۲ء میں وفادار بیوی کی وفات
اور اس کے بعد پے بہ پے بہن اور بھائی کی وفات نے میری علمی گرمجوشی کو
ٹھنڈا کر دیا اور میں برسوں ادبی دنیا سے کنارہ کش رہا۔ ۱۹۵۷ء میں سرہند سے
نیا جگ اور پھر لدھیانہ سے "سچ" جاری کیا۔ ان اخباروں کے سلسلے میں مجھ پر
گورنمنٹ نے کئی مقدمے چلائے۔ مجبوراً "سچ" کو بند کرنا پڑا۔ ۱۹۶۳ء سے گاؤں کا سرپنچ ہوں۔

۱

کیا بھروسہ کریں نظاروں پہ

غم کا سایہ بھی ہے بہاروں پہ

کوئی قدموں سے ہو گیا پامال

کوئی نازاں رہا خماروں پہ

دور کیسا نیا یہ آیا ہے

ابر برسا ہے آبشاروں پہ

اُن کو طوفاں ہی بن گئے ساحل

جن کا تکیہ نہ تھا کناروں پہ

کوئے اُلفت کے جو گداگر ہیں

فوق اُن کو ہے تاجداروں پہ

مرنے والے بھی ان میں زندہ ہیں

سجدے ہوتے ہیں جن مزاروں پہ

ہو کے کوشاں بڑھیں گے خود آگے

کون جیتا رہے سہاروں پر

۲

قیس کے جوشِ جنوں سے رونقِ ویرانہ ہے
عِشق کی دیوانگی کا آج تک افسانہ ہے

قتل گہہ میں سر کے بل چلتے ہوئے آتے ہیں وہ
جن کو ہے شوقِ شہادت اور بے تابانہ ہے

جن کی قربانی کا عالم کر رہا ہے اِحترام
زِندۂ جاوید اُن کی ہمّتِ مردانہ ہے

ہوشمندی کے مقدّر میں تو آیا اِضطراب
بے خودی میں مست رہنا قسمتِ دیوانہ ہے

دیکھنا آخر یقیناً بے اثر رہ جائے گی
جو محبّت صِدق سے اِیثار سے بیگانہ ہے

ایک ہی محبُوب جب رہتا ہے ان میں جلوہ گر
میری نظروں میں برابر کعبہ و بُت خانہ ہے

بادۂ عرفاں سے لے سکتا ہے کوشاں بھی سُرور
فیضِ ساقی اب بھی صرفِ گردشِ پیمانہ ہے

۳

عزم کی راہوں میں تیری بے دلی اچھّی نہیں
موت اچھّی رُوح کی افسردگی اچھّی نہیں

جو روا رکھّے پرائے اور اپنے میں تمیز
اُس کو دھوکا جانیے وہ بندگی اچھّی نہیں

اپنے آپ سے گزر جانا ہے اوجِ محویت
کون کہتا ہے کہ ایسی بے خودی اچھّی نہیں

جو بہک اُٹھتے ہیں اِک دو گھونٹ سے کم ظرف ہیں
رند ہوں کیسے ہی ان کی مے کشی اچھّی نہیں

اِبتدائے عشق میں اِنجام پر بھی رکھ نظر
دِل لگی اچھّی مگر دِل کی لگی اچھّی نہیں

سارے عالم کو مصیبت میں جو کر دے مُبتلا
بندۂ دُنیا کو اِتنی آگہی اچھّی نہیں

قدرتِ ربّی بھی ہو جائے گی کوشاں قہر پر
اپنی طاقت سے کہہ دو سرکشی اچھّی نہیں

اک لیلیٰ فریدکوٹی

یہ خاتون شاعرہ ۱۸۹۵ء میں ریاست فریدکوٹ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئیں بچپن ہی سے شاعری کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ چھ سات سال کی عمر سے زنانہ مجالس میلاد کو نعت خوانی سے گرمانے لگیں۔ اُس زمانہ میں مسلم گھرانوں کے اندر لڑکیوں کو سکول بھیجنا تو درکنار گھر میں بھی تعلیم دینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بھائی تعلیمیافتہ تھے۔ ان کی منت سماجت کی اور انگریزی اُردو کی ابتدائی تعلیم اپنی محنت سے حاصل کی۔ اور پھر اسے ذاتی مطالعہ سے بڑھایا۔ ۱۹۱۶ء میں مالیرکوٹلہ کے شریف اور نہایت باعزت خاندان کے نام لیوا نامی صاحب سے شادی ہوگئی جو محض اس وجہ سے ہوئی کہ دونوں شاعر تھے۔ اولاد شروع جوانی ہی میں مر گئی اور پھر سلسلہ بند ہوگیا اور تقسیم وطن کے بعد سے دونوں میاں بیوی کس مپرسی اور لاچاری کی زندگی بسر کر رہے ہیں

لیلیٰ حمد نعت منقبت سلام وغیرہ ہی کہتی ہیں چند غزلیں ہیں جو اپنے برادر حقیقی کے پاس جو بیکانیر کے نہایت بلند پایہ وکیل اور شہرۂ آفاق شاعر تھے، قیام کے دوران میں طرحی مشاعروں کے لئے کہیں۔

ساحر شامی

۱

مست آنکھوں میں تری ساقی بلا کا جوش ہے
میکدے کا ذرّہ ذرّہ آج خُم بر دوش ہے
کون ہے سرگرم گُل گشتِ چمن اے بُلبُلو!
لب پہ ہر غنچے کے اِک صلِّ علیٰ کا جوش ہے
دیکھ خود آیا مسیحا چارہ سازی کے لئے
ہوش میں آ اے مریضِ ہجر کیوں بے ہوش ہے
کس کی آمد کی نویدِ جاں فزا لائی صبا
آج اِک اِک پھُول پھیلائے ہوئے آغوش ہے
بے خبر اتنی کہ بزمِ ناز تک دل لے گیا
پھر وہاں کیا دِل پہ گزری کس کو اس کا ہوش ہے
اُٹھ رہی ہے دِل سے یہ کس کی صدائے جاں نواز
ہر بُنِ مُو جسم کا میرے سراپا گوش ہے
دے بقدرِ ظرف لیلیٰ کو شرابِ معرفت
وہ سبُو آشام ہے ساقی وہ مینا نوش ہے

۲

وہ تپش کیا ہے جو سوزِ دل کی گلخن میں نہیں
کونسی بجلی ہے جو اپنے نشیمن میں نہیں

تجھ کو رعنائی نے بخشی ہیں ادائیں سینکڑوں
اک مروّت ہی ترے بے ساختہ پن میں نہیں

اِک نگاہِ ناز سے وہ دِل چُرا کر لے گئے
داؤ وہ ان کی اداؤں میں ہیں جو رہزن میں نہیں

مشکلیں آساں ہوں یا رب فضل تیرا ساتھ ہو
کوئی ساتھی اور ہمدم اپنا مدفن میں نہیں

ان کو آنے میں یہاں در پیش لاکھوں حجّتیں
میں وہاں جاؤں تو اِتنی جان بھی تن میں نہیں

دِل لگی کا تیری ساماں کیا کریں. دستِ جنوں
ایک دھجی بھی ہمارے جیب و دامن میں نہیں

تو نے لیلیٰ چن لئے غالبؔ سے جو باقی رہے
تیرے خامہ میں ہیں وُہ گوہر کہ معدن میں نہیں

۳

محبت کی فضاؤں کو قیامت کا پیام آیا
وہ جب جلوہ نمائی کے لئے بالائے بام آیا
نگاہِ ناز اُٹھی اس ادائے دلربائی سے
ہوئی جانِ حزیں قرباں دلِ دیوانہ کام آیا
بھلانے کے تصور نے جمایا اور ہی نقشہ
تصور میں کوئی دِن رات آیا صُبح و شام آیا
مری دُنیائے ارماں میں قیامت ہوگئی برپا
الٰہی خیر سے میرے لبوں پر کِس کا نام آیا
وہ میں ہوں شمعِ افسردہ ہو یا جامِ شکستہ ہو
تری محفل سے جو آیا نہ ہرگز شادکام آیا
وہی ہم ناتوانی سے مقامِ آخری سمجھے
جہاں بھی زندگی کی راہ میں کوئی مقام آیا
خدا لیلیٰ مرے بھائی کو دائم شادماں رکھے
سخن میں میرے جس کے فیض سے زورِ کلام آیا

مغموم

نام بادا کرشن گوپال۔ تاریخ پیدائش ۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء بمقام دومیل ضلع اٹک (مغربی پاکستان)۔ بی۔ اے۔ کا امتحان دیال سنگھ کالج لاہور سے ۱۹۳۸ء میں پاس کیا۔ گذشتہ پچیس ۲۵ برسوں سے مشقِ سخن جاری ہے۔ میری شاعری کا محرک جذبۂ غم ہے۔ زمانہ طالب علمی میں قبلہ محروم صاحب سے وابستہ رہا۔ ابتداً سرور جہان آبادی چکبست۔ اقبال اور جوش ملیح آبادی کی شاعری سے بے حد متاثر ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت علامہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی مدظلہ، کے آگے زانوئے ادب تہ کیا میرا کلام ملک کے صفِ اوّل کے رسائل و جرائد میں چھپتا رہا ہے اور خدا کے فضل سے یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

میرا مقالہ "سرور جہان آبادی" جو کئی اقساط میں ماہنامہ "زمانہ" کانپور میں تمام و کمال شائع ہوا میرا کارنامۂ نثر ہے جو دنیائے ادب میں خاصا مقبول ہوا۔ شوقِ تحقیقِ علم بے اندازہ ہے۔

محکمہ السنہ پنجاب سرکار نے شاعری میں دو بار اوّل انعام دے کر میری ادبی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

۱

زندگی حاصلِ غم ہو تو غزل ہوتی ہے
چشمِ رنجور میں نم ہو تو غزل ہوتی ہے

ایک مدّت سے ترستی ہوئی آنکھوں کے لئے
جلوۂ یار مبہم ہو، تو غزل ہوتی ہے

لبِ لعلیں پہ تبسُّم کی ضیائیں لے کر
کوئی مائل بہ ستم ہو تو غزل ہوتی ہے

کسی دوشیزہ کی چاندی سی جبیں پر دمِ صُبح
زُلفِ شب رنگ کا خم ہو تو غزل ہوتی ہے

رقص میں اُٹھّے ہوئے، پائے نگاریں سے بندھے
کسی گھنگرُو کی جو "چھم" ہو تو غزل ہوتی ہے

سوز سے ساز الگ ہو تو تغزّل کیسا؟
سوز اگر ساز میں ضم ہو تو غزل ہوتی ہے

ساری تفصیل کا اجمال یہی ہے مغموم
کیفیتِ دِل کی رقم ہو تو غزل ہوتی ہے

۲

دیکھ کر آج بصد حالِ پریشاں مجھ کو
پھر سمجھ لے نہ کوئی لُطف کے شایاں مجھ کو

اپنے غم، اپنی تڑپ، اپنی فغاں کو تج کر
اب تو کرنا ہے علاجِ غمِ دوراں مجھ کو

چند غنچوں کے تبسم کا نہیں نام بہار
کہیں رُسوا نہ کرے صبحِ بہاراں مجھ کو

اب مٹانی ہے مجھے تیرگیٔ شامِ فراق
اب جلانے ہیں دِئے کچھ سرِ مژگاں مجھ کو

ریگ زاروں میں، بیابانوں میں، وِیرانوں میں
لے کے جانا ہے سلامِ گُل و ریحاں مجھ کو

میں نے دیکھے ہیں ہر اک موج کے تیور برسوں
کیوں ڈراتا ہے عبث موجۂ طوفاں مجھ کو

مَیں نے جس دِن سے کیا ترکِ گلستاں مغموم
یاد کرتا ہے اُسی دِن سے گلستاں مجھ کو

۳

اِک تم سے مِلا کرنا، اِک تم سے بچھڑ جانا
وہ "کل" کی حقیقت تھی، یہ "آج" کا افسانا

پھر بھی یہ غنیمت ہے، اِک عُمر گزرنے پر
ہم نے ترا غم سمجھا، ہم نے ترا غم جانا

اِک بار کے مرنے سے یہ تو ہے کہیں مُشکل
سَو داغ لئے دِل پر مر مر کے جئے جانا

سوچو تو چمن والو! اِک داغِ ندامت ہے
بھرپور بہاروں میں اِک پھول کا مُرجھانا

یہ طُرفہ کرشمہ ہے انداز نظر ہی کا
ویرانہ کبھی گلشن، گلشن کبھی ویرانا

تفریق یہ رندوں میں کیسی ہے روا ساقی
مُنہ دیکھ کے مے دی ہے کیسا ہے یہ میخانا

مغموم! زبانوں پر جب عشق کی بات آئی
بڑھتا ہی گیا گیا افسانے سے افسانا

موہن

نام منموہن شرما میری پیدائش کا حادثہ یکم نومبر ۱۹۳۶ء کو امرتسر میں رونما ہوا۔ ابتدائی پرورش ادبی ماحول میں ہوئی۔ بی۔ اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ یہ سلسلہ پانچ سال تک جاری رہا۔ آجکل حکومتِ پنجاب کے محکمہ تعلقاتِ عامہ میں آرٹیکل رائیٹر اردو کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ والدِ محترم گیانی جے کرشن شرما پرانے ادیب اور صحافی ہیں۔ آپ زائد از تیس برس سے ادب و صحافت کی خدمت کر رہے ہیں۔

طالب علمی ہی کے زمانے سے شعر و ادب کے مطالعہ کا شوق تھا فطرت نے شاعری کا جو مادہ طبیعت میں ودیعت کیا تھا اس مطالعہ سے وہ ابھر آیا۔ اور میں خود بھی شعر کہنے لگا جس وقت مجھے اپنی موزونیٔ طبع کا شعوری طور پر احساس ہوا۔ اس وقت میں غالباً دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔

طبیعت شروع ہی سے مزاح کی طرف مائل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے بیشتر شعر مزاحیہ کہے ہیں۔

۱

کہیں کیا کہ ہم تجھ کو کیا جانتے ہیں
خُدا جانتا ہے خُدا جانتے ہیں

دِل و جاں کوئی تجھ کو سمجھے مگر ہم
دِل و جاں سے بھی کُچھ سوا جانتے ہیں

اِدھر کُچھ لگاتی ہے کہہ کہہ اُدھر کُچھ
تری چال ہم اے صبا جانتے ہیں

ترے عشق کی ظُلمتِ غم کو عاشِق
مسرّت کی دِل کش ضیا جانتے ہیں

ہر اِک رنگ میں تو ہر اِک رُوپ تیرا
سبھی تجھ کو بہروپیا جانتے ہیں

ڈریں گے وہ کیا گردشِ آسماں سے
جو اس کو بھی تیری ادا جانتے ہیں

بہُت دُور ہیں وُہ حقیقت سے مومِن
خُدا کو جو خُود سے جُدا جانتے ہیں

۲

اُٹھ رہا ہے دِل سے آہوں کا دُھواں تیرے بغیر
خاک ہو جانے کو ہے میرا مکاں تیرے بغیر

آگئی ہے لب پہ جان اے جانِ جاں تیرے بغیر
زندگی ہے دو گھڑی کی میہماں تیرے بغیر

گُل فسردہ سبزہ پامال اور طائر نوحہ خواں
اِک صفِ ماتم ہے صحنِ گُلستاں تیرے بغیر

پاؤں پھیلاتی چلی جاتی ہے یہ ظالم زمیں
اور کھنچتا جا رہا ہے آسماں تیرے بغیر

اِبتدائے عشق میں کب دِل پہ روشن تھا یہ راز
دِل شِکن ہوگا ہر اِک دِلکش سماں تیرے بغیر

غیرتِ گُلزار ہے ہر دشتِ ویراں تیرے ساتھ
شہرِ خاموشاں ہے صحنِ گُلستاں تیرے بغیر

ہر الم آرامِ جاں مجھ کو ہے تیرے قُرب میں
ہر خوشی ہے باعثِ آزارِ جاں تیرے بغیر

۳

کسی طرح تو دلِ زار کو قرار آئے
لفافہ آئے پیام آئے کوئی تار آئے

رہا چھپا کی سے ہیں جاں بلب نہ آئے وہ
خُدا کرے کہ اُنہیں بھی کوئی بُخار آئے

دلِ فسردہ میں اُس بُت کی یاد آئے اگر
خزاں رسیدہ گلستاں میں خود بہار آئے

تمہاری بزم میں ترسیں ہم ایسے دریا نوش
جو ترسیں بیڑی کو ان کے لئے سگار آئے

بلائیں آئیں بلا سے مگر میرے مولا
کسی حسین پہ ہرگز نہ مجھ کو پیار آئے

چھڑائے غیر کے چھکے تو ہم نے ٹینس میں
مگر جو بازیٔ اُلفت تھی اُس کو ہار آئے

وہ بزم ناز ہے یا کوئی میخانہ اے موہن
نکل کے اُس سے جو آئے وہ اشکبار آئے

مہیش پٹیالوی

میری پیدائش ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پٹیالہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آریہ ہائی سکول پٹیالہ میں حاصل کی میٹرک میں کامیاب ہونے کے بعد مہندرا کالج میں داخل ہؤا۔ اور ۱۹۴۷ء میں الف۔ اے پاس کر کے ٹیلیفون کے محکمہ میں ملازمت کر لی۔ اور اب وہیں بحیثیت ٹیلیفون انسپکٹر سرکاری خدمات انجام دے رہا ہوں۔

اُردو سے مجھے بچپن ہی سے پیار تھا۔ شعر گوئی کا شوق دل ہی دل میں پرورش پا رہا تھا مگر کچھ لکھنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ اچانک میرا تبادلہ نابھہ کا ہو گیا جہاں میرے ایک بزرگ رشتہ دار شری کیدار ناتھ کمترؔ کی صحبتوں نے ذوقِ سخن کو روشنی بخشی اور رفتہ رفتہ شعر موزوں ہونے لگے میرے ایک دوست نے ازراہِ عنایت مولینا کمال مالیرکوٹلوی سے مستفیض ہونے کا مشورہ دیا۔ بالآخر مولینا موصوف کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ تہ کیا۔ یہ انہیں کا فیض ہے کہ آج نہ صرف شعر موزوں کر لیتا ہوں۔ بلکہ شاعروں میں شامل ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

۱

یہ تصویریں جنہیں ہم رونقِ محفل سمجھتے ہیں
فقط بُت ہیں مگر ہم عشق کے قابل سمجھتے ہیں

رہی ہے دُشمنی عشّاق سے تا زندگی جن کو
اُمید اُن سے وفا کی ہم فریبِ دِل سمجھتے ہیں

کبھی دُشمن بھی اپنے دُشمنوں کا پاس کرتے تھے
مگر اب دوستوں کو دوست بھی قاتل سمجھتے ہیں

وہ آنکھیں پھیر لیتے ہیں پریشاں دیکھ کر مجھ کو
مگر اِس پر بھی دعویٰ ہے کہ حالِ دِل سمجھتے ہیں

پرستارانِ عہدِ نو کا ذوقِ ارتقا دیکھو!
کہ عُریانی کو بھی تہذیب میں شامل سمجھتے ہیں

ستم خاروں کے سہتے ہیں گلوں کو چاہنے والے
رہِ اُلفت میں کب مشکل کو وہ مشکل سمجھتے ہیں

مہیش اصلاح کے قابل ابھی اشعار ہیں جن کے
تعجب ہے وُہ خود کو شاعرِ کامل سمجھتے ہیں

۲

آثار کہہ رہے ہیں گُل کی شگفتگی کے
انداز لے اُڑا ہے جیسے تری ہنسی کے

مستانہ وار مجھ کو دیکھو نہ اِس طرح تُم
آثار کم نہیں کچھ پہلے ہی بے خودی کے

کِس نے نظر کرم کی ڈالی ہے آج مجھ پر
نقشے بدل گیا ہے یہ کون زِندگی کے

حسرت، الم، اذیّت، آہ و فغاں و وحشت
بخشے ہیں غم نے ہم کو ساماں یہ زندگی کے

مجھ پر نظر کرم کی تُم ڈال کر تو دیکھو!
دِن لوٹ آئیں شاید میری ہنسی خوشی کے

مفہوم دوستی سے جو آشنا نہیں ہیں
صد حیف مُدعی ہیں دُنیا میں دوستی کے

اُن سے ہمیش کہہ دو بگڑیں نہ ہم سے ناحق
کام آدمی ہی آخر آتا ہے آدمی کے

۳

کوئی صیدِ دردِ فراق ہے کوئی ہمکنارِ حبیب ہے
کوئی غمزدہ کوئی شادماں یہ تو اپنا اپنا نصیب ہے

مری داستانِ حسیں الگ تری رُوئیدادِ الم جُدا
کہ وہاں بہارِ شباب ہے یہاں ذکرِ دار و صلیب ہے

جسے تو نے جان کے بے وفا کیا درد و رنج میں مُبتلا
وہی میرا قلبِ ستم زدہ تری آرزُو کا نقیب ہے

مری عظمتوں کا شمار کیا مری رفعتوں کا حساب کیا
مجھے رنج و درد سے کام کیا کہ نصیب قربِ حبیب ہے

کبھی حل یہ عُقدہ نہ ہو سکا نہ سمجھ میں راز یہ آ سکا
وُہ مری نظر سے ہے دُور کیوں جو نفس نفس کے قریب ہے

تری یاد میں جو میں گم ہُوا بہت اپنوں نے تنگ و ناز کی
مجھے ہوش پھر بھی نہ آ سکا مری بے خودی بھی عجیب ہے

وہ الم نصیب وہ بے نوا وہ جگر فگار وہ غم زدہ
جسے تم نے دِل سے بھلا دیا یہ وہی مہیشؔ ادیب ہے

نامی

نام جس سے سالِ ولادت ۱۳۱۵ھ ہجری مطابق ۱۸۹۷ء
نکلتا ہے منظور حسن ہے۔ دادا چیف منسٹر۔ والد رسول سرجن اور نواب
صاحب مالیر کوٹلہ کے خاص ڈاکٹر تھے۔ انٹرنس پاس کر کے شاعری
کی رو میں بہہ گیا۔ لاہور اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ وہاں اختر شیرانی
مرحوم سے ملاقات اور بعد میں گہری دوستی ہو گئی۔ لاہور سے بی۔ اے۔
منشی فاضل اور ادیب عالم کے امتحانات پاس کئے۔ علی گڑھ سے ایم۔ اے
اور بی۔ ٹی کے امتحانات پاس کئے۔ اور قصور میونسپلٹی میں ملازم ہو گیا۔
ممبروں کی باہمی جنگ وجدل سے تنگ آ کر ملازمت ترک کر دی اور
دہلی چلا گیا۔ وہاں پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی۔ نواب مرزا سراج الدین سائل۔
حضرت بیخود دہلوی۔ بہزاد لکھنوی منور لکھنوی اور متعدد شعرا سے
دوستی کی حد تک تعلقات رہے۔ بیچ میں دو سال لاہور رہنا پڑا۔ جہاں
احسان بن دانش سے گہری دوستی ہوئی۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب کا
شکار ہو کر اپنے وطنِ مالوف میں ہی پناہ گزین کی حیثیت سے اقامت کر لی
اور اب تک اپنے وطن ہی میں مقیم ہوں۔

۱

ہم آپ سے حالِ دلِ مُضطر نہیں کہتے
خُود دار کبھی بات مکرّر نہیں کہتے

ہر چند شب و روز سِتم کھینچ رہے ہیں
ہم پھر بھی ستم گر کو سِتم گر نہیں کہتے

فریاد و فغاں کا نہ ہوُا آہ ! اثر کُچھ
دِل آپ اِسے کہتے ہیں پتھّر نہیں کہتے

عُشاق کی جس در پہ نہ جُھکتی ہوں جبینیں
اربابِ نظر اس کو کبھی در نہیں کہتے

ساقی کی توجّہ سے جو محروم رہے جام
رِندوں کی زباں میں اُسے ساغر نہیں کہتے

جس سر میں نہ ہو آپ کا سودائے محبّت
اُس سر کو خرد مند کبھی سر نہیں کہتے

جو ٹھیس لگا دے دلِ نازک کو کسی کے
ناؔمی کوئی بات ایسی سخنور نہیں کہتے

۳

وُہ مرے بُشرے سے کچُھ احوالِ دِل سمجھا تو ہے
یعنی خاموشی مری شرمندۂ معنیٰ تو ہے
جادۂ اُلفت میں قیسِ بادیہ پیما تو ہے
کوئی مجھ کو جاننے پہچاننے والا تو ہے
باریابی ہو نہ ہو یہ بھی شرف کچھ کم نہیں
آستاں پر تیرے کوئی ناصیہ فرسا تو ہے
کم نہ ہوں گی اہلِ حال و قال کی دِلچسپیاں
میں نہ ہوں بزمِ جہاں میں میرا افسانہ تو ہے
سامنا ہوتے ہی کیا گزرے گی دیکھا چاہیے
عرضِ مطلب کا دلِ بیتاب کو دعویٰ تو ہے
میری خُودداری نے کوئی بات ہی کرنے نہ دی
رہ گئی کچھ شرم پاسِ وضع کی اچھّا تو ہے
ذکرِ نامی سُن کے فرماتا ہے وہ بیگانہ خُو
اس گریباں چاک کو ہم نے کہیں دیکھا تو ہے

۳

آج تو کچھ شمۂ حالات کہنے دیجئے
آپ سے کہنی ہے بس اِک بات کہنے دیجئے
جس نظر سے آپ نے اِک بار دیکھا تھا مجھے
اُس نظر پر دِل کے اِحساسات کہنے دیجئے
قتل کرنا آرزوئیں، دفن کرنا حسرتیں،
زندگی کے چند معمولات کہنے دیجئے
اقربا کی بے رُخی، احباب کی بے مہریاں
عُمر بھر کے اپنی، محسوسات کہنے دیجئے
ناگہاں جلوے سے جو گزری دِلِ بیتاب پر
چند لفظوں میں وُہ کیفیات کہنے دیجئے
چند آنسو جس غمِ پنہاں کی تفصیلات ہیں
اُس غمِ پنہاں کی تفصیلات کہنے دیجئے
ہے دمِ آخر بھی نامیؔ آپ ہی کا منتظر
جس کو سب باور کریں وہ بات کہنے دیجئے

نذرِ ش

مَیں نے ہمیشہ زندگی کو جیتنا چاہا ہے اور زندگی کی ہر گہرائی میں خود اُترا ہوں۔ زندگی کے کسی بھی پہلو کو کبھی دُور سے نہیں دیکھا۔ اِسی عادت کے فیض سے کمال درجہ کے تجرباتِ ہوئے ہیں۔ گو کچھ تجرباتِ تلخ بھی ہیں۔ تاہم میں انہیں حاصلِ جستجو سمجھتا ہوں۔ یہی تجربات اشعار کی صُورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جذبات زور مارتے ہیں تو لاشعوری طور پر قلم کچھ اُگل دیتا ہے۔ دیکھتا ہوں تو وہ شعر ہوتا ہے۔ شاعری خُدا داد چیز ہے۔ یہ اُسی مالکِ دوجہاں کا بخشا ہوا نور ہے جس سے نگاہ زندگی کی تیرہ و تاریک راہوں سے ہو کر گزر جاتی ہے اور اپنے مطلب کی بات نِکال لاتی ہے۔

نور بخشا وہ نگاہوں کو جمالِ یار نے
بن گیا میری نظر میں ہر گُلِ گلشن چراغ

۱

کوئی بادہ کش جسے مے کشی کا طریقِ خاص نہ آ سکا
غمِ زندگی کی کشاکشوں سے کبھی نجات نہ پا سکا

یہ مقدّرات کے شعبدے یہ مرے نصیب یہ بے بسی
کہ وہ پُوچھنے بھی لگے کبھی تو میں دردِ دل نہ سُنا سکا

مری ہمسری کا خیال کیا میری ہمرہی کا سوال کیا
رہِ عشق کا کوئی راہ رَو مری گرد کو بھی نہ پا سکا

زر و سیم و شہرت و مرتبہ مجھے اِس جہاں میں مِلا نہ کیا
مگر ایک شے بھی سکونِ دِل جو میں زندگی میں نہ پا سکا

مری گفتگو میں وہ زور تھا کہ سُخن شناس تھے دم بخود
مگر اُن کی محفلِ ناز میں مَیں زبان تک نہ ہلا سکا

کبھی بجلیوں نے جلا دیا کبھی آندھیوں نے اُڑا دیا
کسی حال میں مرا آشیاں مجھے آہ راس نہ آ سکا

اسے لے نرلیش میں کیا کہوں جو کہوں نہ عشق کا معجزہ
کہ غمِ جہاں تو غمِ جہاں مجھے آسماں نہ مٹا سکا

۲

ہیں کبھی مکاں سے گزر گیا کبھی لامکاں سے گزر گیا
ترے شوق میں تجھے کیا خبر میں کہاں کہاں سے گزر گیا

ہیں قدم قدم پہ وہاں مری جستجو کی کہانیاں
ترے سنگِ در کی تلاش میں میں جہاں جہاں سے گزر گیا

میں گناہ گارِ وفا ہوں وہ جو تلاشِ یار کے جوش میں
جہاں پیش آئیں مصیبتیں بخوشی وہاں سے گزر گیا

کوئی بیخودی سی ہے بیخودی مجھے یہ بھی ہوش نہیں رہا
ترا درد دل میں لئے میں کب ترے آستاں سے گزر گیا

مری راہِ فرض میں سنگِ رہ کہیں حسن تھا کہیں عشق تھا
میں بفضلِ مالکِ دو جہاں یونہیں درمیاں سے گزر گیا

کسے ڈھونڈتی ہے نظر تری یہاں کوئی اہلِ گنہ نہیں
وہی اک نرلیش تھا اے خدا جو ترے جہاں سے گزر گیا

۳

راہِ طلب میں عزمِ تجسّس جواں رہے
منزل جو بے نشاں ہے مری بے نشاں رہے
ہم دِل فگار چاک گریباں جہاں رہے
ہم نشانۂ ستمِ آسماں رہے
آنکھوں سے اشک بن کے ٹپکتا ہے ایک روز
وہ سوزِ غم جو قلبِ حزیں میں نہاں رہے
ہم کو تو جورِ چرخ نے برباد کر دیا
تیرا جمال زینتِ بزمِ جہاں رہے
اپنی طرف سے لاکھ وہ ہم سے کھنچا کئے
پھر بھی ہمارے دیدہ و دِل میں نہاں رہے
تا زندگی نہ کیوں کسی کے فراق میں
آنکھوں سے مری خون کے آنسو رواں رہے

(ختم شد)

Tejwant Roy 'Sahir Sunami'

M.A.

میرے شعروں کی فسوں کاری کا چرچا عام ہے

اہلِ فن کہتے ہیں ساحر شاعرِ کامل مجھے